اپریل ۱۹۹۵ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

پاکستان میں شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت اور اس کے لیے مؤثر اور ٹھوس اساس

امیر تنظیم اسلامی کا ۱۷ مارچ کا خطاب جمعہ

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ
کے نزدیک انقلاب کا طریقہ[1]

اقتباس از : "تحریک شیخ الہند" تالیف : مولانا سید محمد میاںؒ

"حضرت شاہ صاحبؒ عدم تشدد اور اہنسا کے قائل نہیں تھے۔ وہ فوجی قوت سے انقلاب کے حامی تھے۔ مگر وہ فوجی قوت جس کی تربیت جہاد کے اصول پر ہوئی ہو' جس کی حقیقت دشمن کشی اور غارت گری نہیں بلکہ اس کی حقیقت ہے محنت' جفاکشی' صبر و استقلال' ایثار و قربانی' یعنی اپنی ذات اور ذاتی مفادات کو ختم کر کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنالینا۔ پھر اس مقصد کیلئے اپنی ہر چیز حتیٰ کہ اپنی زندگی کو بھی داؤ پر لگادینا۔

یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید

ایسا جہاد پیشہ ور سپاہیوں کی فوجوں سے نہیں ہوتا بلکہ ان رضاکاروں کے ذریعہ ہو سکتا ہے جن کی تربیت خاص طور پر کی گئی ہو' جو نصب العین کو سمجھیں' نظریات کو اپنے جذبات بنا لیں اور اصول کے سانچے میں ان جذبات کو ڈھال لیں' پھر ان کو کامیاب بنالینے کے لئے اپنے آپ کو تج دینا ان کی زندگی کا آخری اور محبوب ترین مقصود بن جائے"۔

---

[1] امام الہند شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا "فوجی قوت" کے استعمال کا تجویز کردہ طریق کار آج سے قریباً دو سو سال قبل اس دور کے تناظر میں پیش کیا گیا تھا جب کہ مرکزی طور پر مغلیہ حکومت قائم تھی' اگرچہ وہ کافی کمزور تھی۔ نیز ہندوستان میں بہت سی چھوٹی بڑی مسلمانوں کی نیم آزاد و مختار ریاستیں بھی موجود تھیں' جن کے پاس اپنی فوجیں بھی تھیں۔ مزید برآں شمال مغرب میں بالکل آزاد و خود مختار افغانستان کی ریاست احمد شاہ ابدالی جیسے مرد مجاہد کی قیادت و سیادت میں موجود تھی۔ (جس نے شاہ صاحبؒ کی دعوت پر ہندوستان آکر پانی پت کی جنگ میں مراٹھوں کی طاقت کو پاش پاش کر دیا تھا) اس دور میں ہندوستان میں ایک طرف مراٹھا قوم اور دوسری طرف انگریز اپنے سازشی ہتھکنڈوں سے پورے ہندوستان کو غلام بنانے کے منصوبہ پر عمل پیرا تھے' جو بہرحال مختلف عوامل کے باعث آخر کار کامیاب ہوئے۔ لہٰذا آج کے حالات میں فوجی قوت کے بجائے پاکستان میں نظام خلافت کے قیام و نفاذ کے لئے اس طریق کار کو اختیار کرنا ہوگا' جس کو عہد حاضر کے تمدنی ارتقاء اور ملک کے موجودہ حالات کے تناظر میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے نہایت وضاحت کے ساتھ اپنی مشہور و معروف تالیف "منہج انقلاب نبوی ﷺ" کے آخری باب میں "منہج انقلاب نبویؐ کے حالات حاضرہ پر انطباق کے ضمن میں اقدام اور مسلح تصادم کا تبادل۔ قرآن اور حدیث میں" کے زیر عنوان نہایت محکم استدلال کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (ادارہ)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد: ۴۴
شمارہ: ۴
ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ
اپریل ۱۹۹۵ء
فی شمارہ ۷/-
سالانہ زرتعاون ۷۰/-

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت	۴۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔	۱۶ امریکی ڈالر
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۲۰ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر	۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارہ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۵۸۶۹۵۰۱-۵۸۶۹۵۰۲

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال ——— ۳

حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ——— ۷

پاکستان میں شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت

اور اس کے لئے کوئی ٹھوس اور مؤثر اساس

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ قندِ مکرر ——— ۴۷

"اسلامی قانون کی تنفیذ اور فقہی و گروہی اختلافات"

علماء کنونشن (اگست ۸۰ء) میں ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب کے چند نکات و اشارات

☆ اسلامی انقلاب ——— ۶۲

آخری اور فیصلہ کُن مرحلہ

مختار حسین فاروقی

☆ گوشۂ خواتین ——— ۷۵

آزادیٔ نسواں کہ زمرد کا گلوبند؟

فریدہ بنت اشتیاق

☆ رفتارِ کار ——— ۷۹

قرآن اکیڈمی ملتان میں تجدیدِ ایمان کی بہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

ملک عزیز پاکستان میں شیعہ سنی کشاکش اور منافرت نے گزشتہ چند سالوں کے دوران جو رخ اختیار کیا ہے اس پر ہر دردمند پاکستانی شدید درجے کی تشویش اور صدمے سے دوچار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ایرانی انقلاب کے بعد پاکستان میں بسنے والے اہل تشیع نے جو جارحانہ انداز اختیار کیا اور پاکستان میں "نفاذ فقہ جعفریہ" کی جو تحریک شروع کی اسی کا ردعمل "سپاہ صحابہ" کی صورت میں ظاہر ہوا' لیکن اس کے بعد جو دہشت گردی اور خون ریزی کا ایک غیر مختتم سلسلہ شروع ہوا وہ یقیناً پسندیدہ نہیں ہے۔ یہ صورت حال جدید تعلیم یافتہ طبقے کو جو پہلے ہی اسلام کے بارے میں شکوک و اعتراضات کی ایک لمبی فہرست اپنے ذہن میں رکھتا ہے' اسلام سے مزید دور کرنے کا باعث بن رہی ہے۔ اس معاملے کی سنگینی میں کئی گنا اضافہ اس اعتبار سے بھی ہو چکا ہے کہ ملک دشمن بیرونی عناصر اس مسئلے کی آڑ میں اپنا کھیل نہایت کامیابی کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ یہ بات اب کوئی راز نہیں رہی بلکہ متعدد معتبر حوالوں سے طشت از بام ہو چکی ہے کہ امریکہ ہر قیمت پر کراچی کو پاکستان سے الگ کرنے پر تلا ہوا ہے اور اپنے اس ناپاک منصوبے کی تکمیل کے لئے قدم بقدم اس کی پیش رفت مسلسل جاری ہے۔ تاہم یہ بات طے ہے کہ پاکستان کے بدخواہوں کو اپنا الو سیدھا کرنے کا موقع خود ہم نے اپنی غلط روی سے فراہم کیا ہے۔ شیعہ ہوں یا سنی' دونوں اسی پاکستان کے شہری ہیں اور ان کی موجودہ روش ہرگز پاکستان کے مفاد میں نہیں' بلکہ خدانخواستہ اگر یہی صورت برقرار رہی تو ملک کی سالمیت کا تحفظ قریباً ناممکن ہو جائے گا۔

ان حالات میں پاکستان میں شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت کے احساس کا ملک و ملت کے ہر بہی خواہ کو شدت کے ساتھ دامن گیر ہونا ایک فطری امر ہے۔ یہی سبب ہے کہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے سفر امریکہ سے واپسی کے فوراً بعد اسی معاملے کو ۱۷/ مارچ کے خطاب جمعہ کا موضوع بنایا اور پوری صورت حال کا نہایت باریک بینی کے ساتھ تجزیہ کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت و اہمیت کو واضح کیا بلکہ اس مسئلے کے حل کے لئے ایک ٹھوس بنیاد بھی تجویز کی۔ امیر تنظیم کا یہ مکمل خطاب مرتب کر کے زیر نظر شمارے میں شامل کر دیا گیا ہے۔ (میثاق کی اشاعت میں جو قدرے تاخیر ہوئی ہے اس کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا)۔ "میثاق" کے تمام قارئین بالخصوص اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اس خطاب کا بغور مطالعہ کریں اور اگر اس سے اتفاق رائے محسوس ہو تو اس بنیاد پر اپنے اپنے ماحول میں گفتگو کا آغاز کریں۔ کیا عجب کہ اس طرح فی الواقع پاکستان میں شیعہ سنی مفاہمت کی داغ بیل پڑ جائے جو ملک و قوم کے مستقبل کے اعتبار سے ان شاء اللہ نہایت مفید اثرات و نتائج کی حامل ہو گی۔

☆ ☆ ☆

امیر تنظیم اسلامی ۱۳/مارچ کو سفر امریکہ سے واپس تشریف لے آئے تھے۔ان کا یہ سفر قریباً پونے دو ماہ پر محیط تھا۔ اس سفر کے دوران راقم کو بھی ان کی ہمراہی کا شرف حاصل رہا۔ جیسا کہ اکثر رفقاء و احباب کے علم میں ہے حالیہ دورۂ امریکہ اصلاً انگریزی زبان میں دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام کے انعقاد کی غرض سے تشکیل دیا گیا تھا۔ تاہم روانگی سے قبل ہی امیر تنظیم نے اپنے گھٹنوں کی شدید تکلیف کے پیش نظر ایک مفصل مکتوب کے ذریعے امریکہ میں مقیم رفقائے تنظیم اسلامی کو اپنے مرض کی صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے اس خدشے کا اظہار کر دیا تھا کہ اس پروگرام کا انعقاد مشکوک نظر آتا ہے' لہٰذا اگر رفقاء امریکہ مناسب خیال کریں تو اس پروگرام کو آئندہ سال کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔ اپنے جوابی مراسلے میں رفقاء نے اپنے دلی جذبات کا اظہار جس پیرائے میں کیا اور جس طور سے امیر محترم کو یقین دلایا کہ خواہ خرابی صحت کے باعث کوئی بھی دعوتی و تنظیمی پروگرام نہ ہو سکے اور محض علاج بلکہ صرف آرام کی خاطر بھی اگر امیر محترم تشریف لائیں تو بھی امیر تنظیم کی آمد کو وہ اپنے لئے باعث سعادت جانتے ہیں' اس کے بعد امیر محترم کے لئے انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

امریکہ پہنچتے ہی امیر محترم نے فوری طور پر اپنے گھٹنے کے علاج کے لئے ماہر ڈاکٹروں سے' جن میں سرجن حضرات بھی شامل تھے' رابطہ کیا تاکہ رمضان المبارک سے قبل جو ایک ہفتہ انہیں ملا تھا' اس میں وہ ضروری علاج کے بعد دورۂ ترجمہ قرآن کے نہایت مشقت طلب کام کے لئے ذہنی و جسمانی دونوں اعتبارات سے مناسب طور پر تیار ہو سکیں۔ معالج حضرات کی متفقہ رائے یہ سامنے آئی کہ گھٹنوں کی حالت اس درجے بگڑ چکی ہے کہ کوئی چھوٹے درجے کی سرجری اب زیادہ مفید نہیں رہے گی بلکہ گھٹنے کی تبدیلی (Total Knee Replacement) کے لئے بڑا آپریشن اب ناگزیر ہو گیا ہے۔ بڑے آپریشن کا سیدھا سا مطلب یہ تھا کہ ڈیڑھ دو ماہ کے لئے ہر قسم کے کام کاج سے کامل انقطاع اور مکمل آرام اور مسلسل علاج!---اس صورت میں رمضان کا پورا مہینہ اسی آپریشن اور اس کے بعد کی احتیاطوں کی نذر ہو جاتا اور کسی قسم کا کوئی دعوتی و تنظیمی کام ممکن نہ ہوتا۔ اس صورت حال کے لئے امیر تنظیم ذہناً تیار نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے ڈاکٹروں کی رائے کے علی الرغم اپنے گھٹنوں کا ایک چھوٹا آپریشن کرانے کا فیصلہ کر لیا جس کے بعد امکان تھا کہ سال بھر کے لئے گھٹنوں کی تکلیف میں کچھ افاقہ رہے گا اور آپریشن کرانے کے بعد چند دن کے اندر اندر وہ اس قابل ہو سکیں گے کہ معمول کی سرگرمیوں میں حصہ لے سکیں۔ چنانچہ ماہ رمضان المبارک کے آغاز سے محض پانچ روز قبل نیو جرسی کے ایک ہسپتال میں یہ سرجری ہوئی' جس کے بعد گو تکلیف میں کچھ افاقہ ہو گیا تھا لیکن ابھی پوری طرح Recovery نہیں ہوئی تھی کہ ماہ مقدس کا آغاز ہو گیا اور امیر محترم نے اپنی طبیعت پر جبر کرتے ہوئے اسی حالت میں اللہ کی تائید و توفیق کے بھروسے پر انگریزی زبان میں دورۂ ترجمہ قرآن کا آغاز کر دیا۔

مین ہیٹن نیویارک کے ڈاؤن ٹاؤن کی مسجد "الرحمٰن" میں اس پروگرام کا آغاز ہوا' اور اگرچہ یہ آغاز نہایت غیر یقینی حالات میں ہوا تھا اور اس پروگرام کے لئے مناسب پبلسٹی بھی نہیں ہو سکی تھی تاہم حاضری کی صورت حال ہرگز غیر تسلی بخش نہیں تھی۔ پہلے ہی روز ستر اسی افراد قرآن حکیم کے ساتھ شب

بیداری کے نہایت انوکھے تجربے سے گزرے۔ چار روز تک یہ پروگرام نہایت بھرپور انداز میں ہوا۔ مسجد الرحمٰن میں عشاء کی نماز ۹ بجے شب ادا کی جاتی اور پروگرام سے فارغ ہوتے تین بج جاتے۔ نیویارک کے بعض ساتھیوں نے اس پروگرام میں شرکت کے لئے اپنی جاب سے پورے مہینے کی رخصت حاصل کرلی تھی۔ نوجوان ساتھیوں کا ذوق و شوق دیدنی تھا۔ محدود وسائل کے ساتھ اس پروگرام کے انعقاد کے لئے رفقاء کو جان توڑ محنت کرنا پڑی' لیکن جس لگن اور شوق کے ساتھ انہوں نے کام کیا وہ لائق تحسین ہے۔ بعض سیاہ فام (ایفرو امریکن) مسلمان بھی پروگرام میں دلچسپی سے شریک ہوتے رہے۔ "لذت ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی" کے مصداق جو شخص ایک بار اس پروگرام میں شرکت کرلیتا' اگلے روز بے اختیار کھنچا چلا آتا' بلکہ اپنے دوست احباب کو بھی ساتھ لے کر آتا۔ ایک جانب ذوق و شوق کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف امیر محترم کی صحت اس انتہائی پر مشقت پروگرام کی متحمل نہ ہوسکنے کے باعث بتدریج جواب دینے لگی۔ اس پروگرام کے لئے مسلسل چھ چھ گھنٹے ایک ہی انداز میں کرسی پر بیٹھنے کا نتیجہ ٹانگوں پر سوجن اور ورم کی صورت میں ظاہر ہونا شروع ہوا۔ چار روز کے بعد ورم کی کیفیت اتنی سنگین ہوگئی کہ پروگرام کو مزید جاری رکھنا اب ممکن نہ تھا۔ پروگرام کی معطلی کا اعلان شرکاء پروگرام نے نہایت رنج اور صدمے کی کیفیت کے ساتھ سنا۔ علاوت قرآنی سے اچانک دستبرداری ان پر نہایت شاق گزری' لیکن ابھی اس پروگرام کی تکمیل اللہ کی مشیت میں نہیں تھی۔ اس طرح انگریزی زبان میں دورۂ ترجمہ قرآن کا وہ پروگرام جو پیش نظر تھا' آغاز ہی میں تعطل کا شکار ہوگیا۔ تاہم اس چار روزہ پروگرام کا جو نقش شرکاء کے ذہن و قلب پر قائم ہوا وہ ان شاءاللہ دیرپا اثرات کا حامل ہوگا۔

ماہ رمضان کا درمیانی عشرہ سینٹ لوئس کے قریب واقع ایک پرسکون قصبے ماؤنٹ ورنن میں گزرا جہاں امیر محترم ایک نہایت مخلص نوجوان ساتھی ڈاکٹر حسیب کی دعوت پر بغرض علاج و آرام تشریف لے گئے تھے۔ اس دوران تین دن کے لئے شکاگو بھی جانا ہوا۔ بعد میں مناسب آرام ملنے پر امیر محترم کو اپنی صحت اور گھٹنوں کی کیفیت میں قدرے افاقہ محسوس ہوا تو رمضان کے آخری عشرے میں مسجد الرحمٰن ہی میں منتخب نصاب کے دروس کا پروگرام ترتیب دے دیا گیا۔ انگریزی زبان میں منتخب نصاب کے دروس کے ایک بڑے حصے کی ریکارڈنگ گزشتہ سال نیوجرسی ٹی نیک کی جامع مسجد میں مکمل ہوگئی تھی۔ تاہم چند دروس ابھی باقی تھے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں بحمداللہ یہ کام بھی پایہ تکمیل کو پہنچا۔ عیدالفطر کے بعد نیویارک نیوجرسی کے علاقے میں کچھ عمومی نوعیت کے خطابات اور دروس قرآن کے پروگرام بھی ہوئے جن میں فلشنگ کے علاقے میں واقع ایک بڑے ہال "اسلکس لاج" میں خطبہ عید اور پھر اگلے دن اسی مقام پر عید ملن اجتماع سے خطاب کے پروگرام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ عید کے بعد دس دن مزید امریکہ میں قیام رہا۔ ان دس دنوں میں امیر تنظیم کی اصل توجہ تنظیمی اور تحریکی امور کی جانب رہی۔ الحمدللہ اس سفر امریکہ کے دوران کم و بیش ۳۰ افراد بیعت سمع و طاعت کا قلادہ اپنی گردنوں میں ڈال کر قافلہ تنظیم میں شامل ہوئے۔ طویل فاصلوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اور رفقاء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر کئی نئے تنظیمی حلقے تشکیل دیئے گئے اور اس طرح نیویارک نیوجرسی کے علاقے میں تین نئی

مقامی تنظیموں کا قیام عمل میں آیا۔ فللہ الحمد والمنہ

☆ ☆ ☆

ہمارے ایک دیرینہ رفیق اور بزرگ چوہدری نصیر احمد ورک صاحب چند ماہ پیشتر' ۱۱ دسمبر ۹۴ء کو' ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ گو ان کے انتقال کی اطلاع تنظیم اور انجمن کے مرکزی دفاتر میں بروقت پہنچ گئی تھی اور امیر تنظیم ہی نے ان کی نماز جنازہ بھی پڑھائی تاہم بعد میں اندازہ ہوا کہ بہت سے احباب تک ان کے انتقال کی اطلاع نہیں پہنچی۔ اسی کی تلافی کے طور پر' خاصی تاخیر ہونے کے باوجود' اب ان کے وصال کی اطلاع شائع کی جارہی ہے۔ تنظیم اسلامی کے قیام سے قبل بھی ورک صاحب مرحوم کا شمار محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا تھا۔ مرحوم مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے موسسین میں شامل تھے۔ مرحوم نے دوران زندگی اعلیٰ سرکاری عہدوں پر کام کیا اور ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ عرصے کے لئے مرکزی انجمن کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ اپنی عمر کے آخری حصے میں مرحوم خرابی صحت کے باعث قریباً صاحب فراش ہوگئے تھے۔ لیکن "رجوع الی القرآن" کی اس تحریک سے ان کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ وہ وصال سے تین ماہ قبل شدید علالت اور کمزوری کے باوجود ۱۴ ستمبر ۹۴ء کے اجلاس انجمن میں شرکت کے لئے باہتمام تشریف لائے۔ اپنے انتقال سے محض ایک ہفتہ قبل بھی وہ قرآن اکیڈمی تشریف لائے تھے۔ اللھم اغفرلہ' وارحمہ وادخلہ فی رحمتک وحاسبہ حسابا یسیرا (آمین)

☆ ☆ ☆

رفیقاتِ تنظیم اسلامی نوٹ فرمالیں

کہ تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کا چوتھا سالانہ اجتماع

ان شاء اللہ بتاریخ ۳۰ / اپریل و یکم مئی ۱۹۹۵ء بمقام قرآن آڈیٹوریم' ۱۹۱۔ اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور' منعقد ہوگا۔

واضح رہے کہ ۳۰ / اپریل کو عصر تا عشاء صرف رفیقات تنظیم کا اجتماع ہوگا' جبکہ یکم مئی کو صبح ۹ بجے منعقد ہونے والے اجتماع کی حیثیت اجتماع عام کی ہوگی' جو دو بجے دوپہر تک جاری رہے گا۔

☆ ☆ ☆

پاکستان میں شیعہ سنّی مفاہمت کی اہمیت اور اس کے لیے کوئی مؤثر اور ٹھوس اساس

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کا ۱۷ مارچ ۹۵ کا خطاب جمعہ

☆☆☆

خطبۂ مسنونہ اور سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳ تا ۱۵ کی تلاوت کے بعد فرمایا :

معزز حاضرین اور محترم خواتین!

اس مقام پر آپ حضرات سے لگ بھگ دو ماہ کے بعد ملاقات ہو رہی ہے۔ میرا یہ معمول رہا ہے کہ کسی طویل بیرونی سفر کے بعد جب پہلی مرتبہ یہاں حاضری ہوتی ہے تو فطری طور پر کچھ تمہیدی باتیں ہوتی ہیں' کچھ ذاتی کوائف و احوال کا بیان ہوتا ہے' اور اس وقت تو مجھے معلوم ہے کہ خاص طور پر آپ کے ذہن میں ہو گا کہ میرے گھٹنے کی تکلیف کا کیا عالم ہے؟ وہاں جو آپریشن ہوا اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ اسی طرح آپ اس سفر کی کچھ روداد اور کچھ تاثرات بھی سننے کے خواہاں ہوں گے۔ پھر یہ کہ خاص طور پر پاکستان کے قومی و سیاسی حالات اور یہاں کے اہم اور گھمبیر مسائل کے بارے میں کسی قدر گفتگو اور اظہارِ رائے بھی میرا معمول ہے' لیکن آج میں ان تمام امور کو نظرانداز کر کے اور کسی تمہیدی بحث میں وقت صرف کئے بغیر براہ راست اسی موضوع پر اپنی گفتگو کا آغاز کر رہا ہوں جس کا اعلان کیا گیا ہے۔ یعنی "پاکستان میں شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت اور اس کے لئے کوئی مؤثر اور ٹھوس اساس"۔ پیش نظر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر مجھے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے تو میری اس تقریر کا کیسٹ عام کیا جائے' اسے وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے' تاکہ

اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت میں اس سلسلہ میں کوئی مثبت پیش رفت ہو تو یہ اس کا ایک ذریعہ بن جائے۔

اس موضوع پر براہ راست گفتگو سے قبل میں سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳ تا ۱۵ کے حوالے سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں جو میں نے آغاز میں تلاوت کی ہیں۔ ان آیات کا براہِ راست تعلق اس موضوع سے ہے اور ان کی روشنی میں ہمیں اس بنیادی بحث کی طرف راہنمائی بھی حاصل ہوتی ہے کہ اسلام میں فقہی مسالک اور مذاہب کی اہمیت اور ان کی حیثیت کیا ہے اور ان کے بارے میں صحیح طرز عمل کیا ہونا چاہئے؟ شیعہ سنی مسئلہ پر گفتگو سے قبل اصولی طور پر یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ اسلام میں مختلف فقہی مسالک موجود ہیں۔ چنانچہ حنفیت' شافعیت' مالکیت اور حنبلیت کے علاوہ ظاہریت اور سلفیت یعنی اہلحدیثیت اور فقہ جعفری بھی موجود ہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان چیزوں کی کیا حیثیت ہے' ان کی کیا اہمیت ہے اور ان کے بارے میں ہمارا طرز عمل اور طرز فکر کیا ہونا چاہئے؟ اس سلسلے میں ان تین آیات کا حوالہ دراصل صرف اس لئے دیا جا رہا ہے کہ ہمیں اس موضوع سے متعلق ان آیات سے جو ہدایات اور راہنمائی ملتی ہے اسے ہم اخذ کریں۔ اِس وقت ان آیات کا درس دینا اور ایک ایک لفظ پر گفتگو کرنا مقصود نہیں ہے۔

دین اور شریعت میں فرق

میرے نزدیک سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ اس اعتبار سے قرآن حکیم کا ذروۂ سنام ہے کہ دین اور شریعت میں جو فرق ہے وہ یہاں نہایت عمدگی سے واضح ہوتا ہے!

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى...

"(اے مسلمانو!) اس (اللہ) نے تمہارے لئے بھی دین میں وہی شے معین کی ہے جس کی وصیت کی تھی اس نے نوحؑ کو اور جو وحی کی ہے ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کی جانب اور جس کی وصیت کی تھی ابراہیمؑ کو اور موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو...."

ان الفاظ مبارکہ کا براہ راست جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ دین ہمیشہ سے 'ازازل تا ابد'

ایک ہی رہا ہے۔ اس آیت میں تو صرف "اُولُوا العَزم مِنَ الرُّسُل" یعنی حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے، ورنہ دین تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ایک ہی ہے اور یہی دین ہمیشہ تک رہے گا۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ چنانچہ تمام انبیاء و رسل (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا دین ایک ہی تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مختلف رسولوں کی شریعتیں جدا تھیں۔ کم از کم دو شریعتیں یعنی شریعتِ موسوی ؑ اور شریعتِ محمدی ؐ تو بالکل واضح طور پر جدا ہیں۔ اس لئے کہ باقی شریعتوں کے بارے میں ہمارے پاس زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کون سی شریعت اور کیا احکام دیئے، یہ ہمیں معلوم نہیں، کیونکہ ان کا کوئی صحیفہ یا کوئی کتاب آج موجود نہیں ہے۔ اگرچہ اب بھارت میں ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ "منوسمرتی" درحقیقت حضرت نوح علیہ السلام کا صحیفہ ہے اور "مہانوح" حضرت نوح علیہ السلام کی امت ہے (ہندی میں "مہا" بڑے کو کہتے ہیں، جیسے "مہاسبھا") لیکن یہ محض ایک خیال ہے جس کا میں نے حوالہ کے طور پر ذکر کر دیا، ورنہ قرآن حکیم میں حضرت نوح علیہ السلام کے کسی مصدقہ صحیفہ کا تذکرہ نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے ہمیں فطرت کی کچھ چیزیں تو معلوم ہیں، جن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ "عَشَرَۃٌ مِنَ الْفِطرۃ.. الحدیث" یعنی "دس چیزیں فطرت میں سے ہیں...." اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی سنت ہیں۔ لیکن آیا انہیں شریعت کے کوئی تفصیلی احکام بھی دیئے گئے یا نہیں، اس کا ہمارے پاس نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ ہی ریکارڈ۔ البتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شریعت یقیناً دی گئی جسے ہم شریعتِ موسوی ؑ کے نام سے جانتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے ماننے والوں کو یہی کہہ کر گئے کہ "یہی شریعت تم پر بھی لاگو رہے گی"۔ (Dont think I have come to destroy law) تو جو شریعتیں آج معلوم ہیں وہ دو ہی ہیں: شریعتِ موسوی ؑ اور شریعتِ محمدی ؐ ---- اور ان دونوں میں بعض اعتبارات سے بڑا فرق ہے۔ روزے کی صورت اور نماز کی ہیئت میں فرق کے علاوہ اور

بھی بعض احکام میں واضح فرق ہے۔ اس اعتبار سے اس بات میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مختلف رسولوں کی شریعتیں مختلف ہیں لیکن دین ایک ہی ہے۔ اسی لئے میں اس آیت مبارکہ کے اگلے حصے پر زور دینا چاہتا ہوں :

اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ

"کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ!"

یہاں پر "فِیْهِ" (اس میں) کا لفظ بہت اہم ہے۔ یعنی اختلاف کسی اور معاملے میں تو ہو سکتا ہے، لیکن دین کے معاملے میں تفریق اور تفرقہ نہ ہو!--- اسی چیز کو قرآن مجید نے دو اور مقامات پر مزید واضح کیا ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۶۰ کے الفاظ ہیں :

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ

"(اے نبی ﷺ) جن لوگوں نے اپنے دین کے حصے بخرے کر لئے اور وہ گروہوں میں منقسم ہو گئے آپ کا پھران سے کوئی سروکار نہیں"۔

اور جیسا کہ میں نے بارہا کہا ہے کہ اہم مضامین قرآن حکیم میں کم از کم دو مقامات پر لازماً آتے ہیں، چنانچہ ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ یہ مضمون سورۃ الروم (آیات ۳۱، ۳۲) میں بھی بایں الفاظ آیا ہے :

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ○

"اور (اے مسلمانو!) تم ان مشرکین کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور وہ گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اور ہر گروہ جو کچھ (دین کا حصہ) اس کے پاس ہے (اس کو لے کر بیٹھا ہوا ہے اور) اس پر خوش و خرم (اور مطمئن) ہے"۔

گویا۔

اڑائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گُل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری!

یہ وہ مضمون ہے جس کے بارے میں میں نے عرض کیا ہے کہ سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ اس کا زرّوۂ سنام ہے، جس میں فرمایا گیا کہ "اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ"

یعنی "یہ کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو!"۔ شریعتوں کے اختلاف کے باوصف دین میں تفرقہ نہ ہو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ "دین" کیا ہے؟ دین کو اگر ایک لفظ میں بیان کریں تو وہ "توحید" ہے۔ لیکن اس کا مفہوم کیا ہے؟ یہ کہ حاکمِ مطلق صرف اللہ کو تسلیم کیا جائے' پوری زندگی اس کے احکام کے تحت آجائے۔ یہ دینِ توحید ہے۔ البتہ اس کی عملی شکل میں ایک چیز کا اضافہ ہو جائے گا اور وہ یہ کہ حاکمِ حقیقی کا نمائندہ چونکہ رسولِ وقت ہوتا ہے لہٰذا دین نام ہے اللہ کی اطاعت اور رسولِ وقت کی اطاعت کا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے وقت میں اللہ کے نمائندے تھے' اسی طرح حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اپنے اپنے وقت میں اللہ کے نمائندے تھے---اور حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا دورِ رسالت شروع ہونے کے بعد آپؐ اللہ تعالیٰ کی نمائندگی کے منصب پر فائز ہوئے اور چونکہ آنحضور ﷺ کی رسالت ابدی اور دائمی ہے لہٰذا اب قیامت تک "دین" کی تعریف یہی ہوگی کہ "اللہ کی حاکمیت اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت"۔ اور عملی اعتبار سے چونکہ اللہ کی حاکمیت بہت حد تک ایک نظری شے بن جاتی ہے لہٰذا سنت یا اطاعتِ رسولؐ اہم تر ہو جاتی ہے۔ یہی بات ہے جسے علامہ اقبال نے بڑی خوبصورتی سے اس شعر میں واضح کیا ہے کہ۔

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

چنانچہ دین نظری اعتبار سے اگرچہ "دین اللہ" ہے' دینِ توحید ہے' بالفاظ دیگر حاکمیت اللہ کی ہے' لیکن عملی اعتبار سے یہ دینِ محمد ﷺ ہے۔ اسی طرح یہ اپنے اپنے وقت میں دینِ موسیٰ اور دینِ عیسیٰ (علیہما السلام) تھا۔

تفرقہ کا اصل سبب اور اس کا نتیجہ

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ تفرقہ و افتراق کا اصل سبب کیا ہے؟ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ اختلاف اور تفرقہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ اختلاف اپنی جگہ ہے' جس کے بارے میں قرآن حکیم میں کہا گیا ہے: "لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ....وَلِذٰلِکَ خَلَقَھُمْ" یعنی

"یہ اختلاف تو کرتے ہی رہیں گے.... اور اسی طرح اس نے انہیں پیدا کیا ہے"۔ یعنی اختلاف تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ایک اصول ہے' جس پر اس نے انسانوں کو بنایا ہے۔ کائنات میں یکسانیت (monotany) کہیں ہے ہی نہیں۔ دو انسانوں کی شکلیں آپس میں نہیں ملتیں' اور تو اور ان کے ہاتھوں کے انگوٹھوں کے نشانات تک آپس میں نہیں ملتے۔ اللہ کی تخلیق میں ایک بوقلمونی اور رنگا رنگی ہے۔ سورۃ الروم میں فرمایا کہ تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف اللہ کی عظیم آیات میں سے ہے۔ گویا اختلاف اس کائنات کے لئے ایک اصول موضوعہ اور تخلیق کی ایک بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسانوں کی زبانوں میں فرق ہے' ان کی صورتوں اور رنگوں میں فرق ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دو آدمیوں کے مزاج ایک نہیں' ان کی ترجیحات ایک نہیں' ان کے ذوق ایک نہیں' ان کے فہم کا معیار ایک نہیں' ان کی ذہانت ایک سی نہیں۔ چنانچہ اختلاف تو ہر جگہ موجود ہے اور یہ کوئی ایسی بری اور انہونی شے بھی نہیں' جبکہ تفرقہ ایک الگ شے ہے۔ اختلاف کو گوارا کرنے کی بجائے اگر "من دیگرم تو دیگری" کی نوبت آ جائے اور ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانے شروع کر دیئے جائیں تو یہی تفرقہ ہے جو کفر اور شرک سے کم نہیں۔ تفرقہ کا سبب قرآن حکیم میں کم از کم ۵ مقامات پر ایک جیسے الفاظ میں ذکر ہوا ہے۔ یہاں سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۴ میں بھی یہی فرمایا گیا:

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ

"اور انہوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا' آپس کی ضد کی وجہ سے!"

تفرقہ جب بھی ہوتا ہے وہ "بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ" کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ یعنی ضِدم ضدا' ایک دوسرے پر بالادستی حاصل کرنے کی کوشش۔ تفرقہ کبھی نیک نیتی سے نہیں ہوتا۔ نیک نیتی سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن تفرقہ نہیں۔ تفرقے کا سبب ہمیشہ یہی ہوتا ہے جو قرآن نے "بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ" کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی ایک دوسرے پر تعدّی اور بالادستی۔ جدید ماہرینِ نفسیات میں سے ایڈلر نے اسے "حبِّ تفوّق" (Urge to dominate) سے تعبیر کیا ہے۔

اس آیت کے آخری حصے میں ایک بڑی عظیم اور تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس تفرقے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ فرمایا :

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ○

"اور جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے ان کے بعد' وہ اس کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں"۔

یعنی جب دینی راہنماؤں کے مابین تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے تو اگلی نسلوں میں خود کتاب اللہ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور یہی حال آج ہماری نئی نسل کا ہے جو کہتی ہے کہ یہ مولوی تو آپس میں لڑتے رہتے ہیں' ہم کس کی سنیں؟ خواہ یہ بدنیتی سے کہا ہوا جملہ ہی کیوں نہ ہو' لیکن بہرحال جملہ تو ایسا ہے کہ جس پر خاموش رہنے اور گردن جھکانے کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے! یہ سب دراصل تفرقے کا ہی نتیجہ ہے۔ ایک نسل کو اللہ کے نبی سے کتاب منتقل ہوئی جو اگلی نسل کو منتقل ہو رہی ہے۔ لیکن اب جو اس کے وارث بنے ہیں وہ اس تفرقے کی وجہ سے اس کتاب ہی کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

تکمیلِ رسالت کا تقاضا : "تکمیلِ دین"

اگلی آیت (نمبر۱۵) کا حوالہ بعد میں آئے گا کہ اس صورت حال میں طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے۔ سرِدست ایک اور اہم حقیقت کی طرف توجہ فرمایئے! بہتر ہو گا کہ پہلے ہم ایک اصولی بات سمجھ لیں جس کا براہ راست تعلق ہمارے آج کے موضوع کے ساتھ ہے۔ انبیاء کرام کے ضمن میں تو میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیا کہ دین اور شریعتوں کے مابین کیا نسبت و تناسب ہے' ان کی کیا اہمیت ہے اور اپنی اپنی جگہ پر ان دونوں کا کیا مقام ہے' یعنی دین ایک ہے اور شریعتیں جدا جدا۔ نبی اکرم ﷺ پر نبوت کا خاتمہ ہوا اور رسالت کی تکمیل ہوئی۔ اب ان دونوں چیزوں کے علیحدہ علیحدہ تقاضے ہیں۔ ہمارے ہاں ختم نبوت پر تو گفتگو بہت ہوتی ہے لیکن تکمیلِ رسالت پر بہت کم ہوتی ہے۔ ان موضوعات

پر میری تقریروں کے کیسٹ موجود ہیں' اِس وقت صرف حوالہ دے کر گزر رہا ہوں۔ آنحضور ﷺ پر صرف نبوت ختم ہی نہیں ہوئی' بلکہ اس کی تکمیل ہوئی ہے اور آپ ﷺ کی فضیلت کی بنیاد تکمیلِ نبوت و رسالت ہے۔ محض ختمِ نبوت تو درحقیقت فضیلت کی کوئی بنیاد نہیں بنتی۔ اس کی دستوری اور قانونی حیثیت تو مسلم ہے کہ آنحضور ﷺ کے بعد جس کسی نے نبوت یا رسالت کا دعویٰ کیا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اسی طرح جس کسی نے ایسے شخص کی تصدیق کی وہ بھی اسلام کے دائرے سے خارج ہے۔ لیکن محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی فضیلت کی اصل بنیاد تکمیلِ نبوت و رسالت ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" کے مطابق اسلام اب مکمل ہو چکا اور اس اسلام کے بارے میں سورۂ آل عمران میں دو جگہ دو ٹوک انداز میں فرمادیا گیا :

(۱) اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آیت ۱۹)

"یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک بس اسلام ہی ہے"۔

(۲) وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ (آیت ۸۵)

"اور جس نے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کر لیا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا"۔

یعنی محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر اس سلسلے کا خاتمہ ہو گیا اور اب ہمیشہ کے لئے "کتاب و سنت" کا تعین ہو گیا۔ اللہ کی کتاب اب ہمیشہ کے لئے قرآن ہے اور سنتِ رسولؐ یا اطاعتِ رسولؐ کا مصداق ہمیشہ کے لئے سنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا اطاعتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

تفرقے کی بنیاد: عقیدۂ ختمِ نبوت سے انحراف

اور یہ سمجھ لیجئے کہ اب اس میں اگر تفرقہ ہو گا تو صرف عقیدۂ ختمِ نبوت سے انحراف کرنا یا بالفاظِ دیگر نبوت کی مہر توڑنے سے ہو گا۔ اگر آپ کتاب و سنت کے پابند ہیں تو تفرقہ ممکن نہیں۔ اب تفرقہ صرف مہرِ نبوت توڑنے سے ہی ہو گا' جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں کی

طرف سے اس تفرقہ کا مظاہرہ ہوا' خواہ وہ بہائی ہوں' قادیانی ہوں یا کوئی اور ہوں' وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئے۔ تفرقہ کو قرآن حکیم میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ میں سورۃ الروم کی آیات ۳۱' ۳۲ کا حوالہ دے چکا ہوں جہاں الفاظ آئے ہیں :

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا

"اور تم مشرکوں میں سے نہ ہو جانا' جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کر لئے اور وہ گروہ گروہ ہو گئے"۔

باقی جو لوگ کتاب اور سنت پر قائم رہیں ان میں تفرقے کا امکان نہیں ہے۔ ان کے مابین اختلاف ہو سکتا ہے اور یہ اختلاف ہی ہے جو امت میں چلا آ رہا ہے۔ کتاب و سنت سے استنباط و استدلال کا معاملہ ہو' نئے احکام پر اجتہاد کرنا ہو' کتاب و سنت سے استنباط و استخراج کے اصول بنانے ہوں' جن کا نام اصول فقہ ہے تو ان میں تھوڑے بہت فرق و تفاوت کا ہو جانا عین ممکن ہے۔ طریق استنباط میں کچھ فرق و تفاوت ہو جائے گا' پھر اس میں ترجیح یعنی راجح اور مرجوح کا کچھ فرق و تفاوت ہو سکتا ہے' اس وجہ سے اختلاف تو یقیناً ہو گا۔ لیکن جب تک کتاب و سنت دونوں اپنی جگہ پر قائم ہیں تفرقہ نہیں ہو گا۔ تفرقہ کی بنیاد صرف مہرِ ختمِ نبوت کو توڑ دینا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج تک اِس امت میں' چودہ سو برس میں' تکفیر پر اگر اجماع ہوا ہے تو صرف ان لوگوں کی جنہوں نے کسی نئی نبوت کا دعویٰ کیا۔ امت کی تاریخ میں معمولی نہیں' بہت بڑے بڑے اختلافات ہوئے ہیں' لیکن ان کی بنیاد پر کسی کی تکفیر نہیں ہوئی۔ جس قدر "Tolerance" (برداشت) اسلام کی تاریخ میں رہی ہے اس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ عیسائیت کی تاریخ پڑھئے کہ ان کے فرقوں کے درمیان اتنا کشت و خون ہوا ہے کہ اس پر ان کی اپنی گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام نے اختلافات کو absorb کیا ہے۔ اس ضمن میں اس کے اندر inbuilt mechanism موجود ہے اور بڑے مؤثر shock-absorbers بھی ہیں۔ اس میں اختلافات کے لئے کھلی گنجائش ہے۔ الفاظِ قرآنی "لَا يَزَالُونَ

مُخۡتَلِفِیۡنَ ..... وَلِذٰلِکَ خَلَقَھُمۡ " کی بہترین مثال اسلام کی تاریخ میں سامنے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب و سنت کی تعبیرات' استنباطات' استدلالات اور ان کے اصول کے اندر جو بھی فرق و تفاوت ہوا اسی سے حنفیت' شافعیت' مالکیت' حنبلیت' ظاہریت اور سلفیت وجود میں آگئیں۔ یہ اہل سنت کے مختلف مسالک ہیں' جن کے مابین اگر کوئی اختلاف ہو سکتا ہے تو وہ صرف تعبیر کا اختلاف ہے۔ میں ابھی اہل تشیع کا ذکر اس لئے نہیں کر رہا کہ وہاں ایک معاملے میں آکر مزید فرق واقع ہو جاتا ہے۔ ابھی آپ صرف یہ سمجھ لیجئے کہ اہل سنت کے مختلف مکاتب فقہ جنہیں مسالک یا مذاہب کہا جاتا ہے یہ سب کے سب کتاب و سنت پر جمع ہو سکتے ہیں کیونکہ ان سب کے لئے سنت کا ماخذ (source) ایک ہی ہے' ان کی کتبِ حدیث ایک ہی ہیں' جس میں بخاری و مسلم اور صحاح ستہ کی دیگر کتب نمایاں ہیں۔ ان کا استدلال ہو گا تو وہیں سے ہو گا۔ گویا ان کا "frame of reference" ایک ہے۔ اس اعتبار سے ان کے مابین جو بھی اختلافات ہیں وہ فروعی ہیں' اصولی نہیں۔ اگرچہ پاکستان میں حنفی اور اہل حدیث کے مابین بھی کافی چپقلش پیدا ہو جاتی ہے' کیونکہ شافعی' مالکی اور حنبلی تو یہاں پر نہ ہونے کے برابر ہیں۔ غالب اکثریت احناف کی ہے' لیکن سلفی یا اہلحدیث حضرات اقلیت میں ہونے کے باوجود خاصے فعال ہیں' اور چونکہ کئی بیرونی حکومتیں ان کی مددگار اور پشت پناہ ہیں' اس لئے ان کی حیثیت اپنے اصل سائز سے بڑھ کر ہو گئی ہے۔ لیکن بہرحال جہاں تک میرا اپنا موقف ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان بھی قطعاً کوئی بنیادی فرق نہیں ہے' اس لئے کہ جو بھی ماخذِ سنت ہے وہ ان دونوں کا مشترک ہے۔

تفرقہ سے بچنے کا قرآنی لائحہ عمل

اس اعتبار سے میں یہاں پر محولہ بالا تین آیتوں میں سے آخری آیت (الشوریٰ : ۱۵) کا حوالہ دے رہا ہوں جن میں صحیح لائحہ عمل کی نشاندہی کی گئی ہے :

فَلِذٰلِکَ فَادۡعُ وَاسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ وَلَا تَتَّبِعۡ اَھۡوَآءَ ھُمۡ

"پس (اے نبیؐ) اسی کی دعوت دیتے رہئے اور ثابت قدم رہئے جیسا کہ آپؐ کو

حکم دیا گیا' اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے"۔

یعنی تمہیں اس کی دعوت دیئے چلے جانا ہے کہ دین کو قائم کرو۔ "ذٰلِکَ" کا اشارہ "اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ" کی طرف ہے' یعنی "دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو!"

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ

"اور کہہ دیجئے کہ میرا ایمان تو اس کتاب پر ہے جو اللہ نے نازل کی ہے"۔

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ

"اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں"۔

اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ

"اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے"۔

آپس میں اختلافات کے حل کے لئے یہاں بہترین فارمولا دیا جا رہا ہے۔ اگر کوئی حنفی' شافعی یا مالکی فقہ میں کوئی اختلاف ہے تو کیا ہوا۔

اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ

ہمارا اور تمہارا رب ایک ہے یا نہیں؟

لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ

"ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال"۔

نماز میں رفع یدین کرنا ہے یا نہیں کرنا' ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنی ہے یا باندھ کر' ان معاملات میں کیوں جھگڑا کرتے ہو؟

لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ

"اس میں ہمارے تمہارے مابین کسی حجت بازی کی ضرورت نہیں"۔

اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ○

"اللہ ہی ہمارے مابین جمعیت پیدا کرنے والا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

اللہ کرے کہ وہ جمعیت پیدا ہو جائے' وہ اتحاد اور اتفاق ہو جائے۔ اور اگر یہ چیز نہیں ہو گی تب بھی اللہ کے حضور جا کر تو کھڑے ہونا ہے۔ وہاں دودھ کا دودھ' پانی کا پانی جدا ہو جائے گا۔

شیعہ سُنّی مفاہمت کی اساس

اب میں اس سے آگے بڑھ رہا ہوں کہ اہلِ تشیع کے ساتھ معاملے میں اس سے ذرا مختلف صورت کیا ہے۔ جہاں تک "کتابُ اللّٰہ" کا تعلق ہے تو اگرچہ اہل سنت کو اہل تشیع کے بارے میں یہ شکوک و شبہات ہیں کہ وہ قرآن کو بھی صحیح نہیں مانتے' ان کی بعض کتابوں سے اس کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں اور مولانا محمد منظور نعمانی نے اسی موضوع پر بڑی مفصل کتاب لکھی ہے' لیکن اہل تشیع کا عمومی موقف یہ ہے کہ نہیں' ہم اسی کتاب کو برحق مانتے ہیں۔ اور ہمیں ظاہر بات ہے کہ ان کا وہی موقف درست تسلیم کرنا چاہئے جو ان کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ چنانچہ "کتاب" ہمارے اور ان کے مابین مشترک ہے۔ ان کے ہاں شاید کچھ غالی حضرات ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اصل قرآن وہ تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتب کیا تھا' جو دراصل ترتیب نزولی کے اعتبار سے تھا۔" ہمارے ہاں بھی اس کی روایات موجود ہیں۔ میرے نزدیک حضرت علیؓ کا یہ کام محض ایک علمی دلچسپی کے طور پر تھا۔ بہت سے علماء نے بھی ایسی کوششیں کی ہیں کہ قرآن کو ترتیب نزولی کے اعتبار سے مرتب کیا جائے۔ ایک زمانے میں خود میں بھی یہ کوشش کرتا رہا ہوں۔ یہ ایک علمی اور اکیڈمک ایکسرسائز ہے کہ معلوم ہو کہ پہلے کون سی آیات نازل ہوئیں' ان کے بعد کونسی آیات اور کون سی سورتیں اتریں اور پھر ان کے بعد کونسی۔ بعض انگریزی تراجم بھی اس طور سے شائع ہوئے ہیں کہ وہ مصحف کی ترتیب سے نہیں ہیں بلکہ اس ترتیب سے ہیں جو ان کے مترجمین کے خیال میں نزولی ترتیب ہے۔ ویسے یہ چیزیں متفق علیہ نہیں ہیں بلکہ ان میں اختلافات ہیں۔ بہرحال حضرت علیؓ کے بارے میں یہ روایت موجود ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کو ترتیب نزولی کے اعتبار سے مرتب کیا تھا' جو ایک علمی بات تھی۔ لیکن جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اصل قرآن وہی تھا ان کے عقیدے کے مطابق وہ اصل قرآن اب دنیا میں کہیں نہیں ہے اور اس کا نسخہ صرف ان کے امام غائب کے پاس ہے جو روپوش ہیں' اور وہ جب ظاہر ہوں گے تو اسے لے کر آئیں گے۔ یہ عقیدہ رکھنے والوں کے پاس بھی اس قرآن کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ اور وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اُس وقت تک

یہی مصحفِ عثمانؓ ہی قرآن ہے۔ تو ہمیں انہی کے موقف پر بات طے کرنی چاہئے' باقی غالی قسم کے واعظین جو باتیں کہتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے پر تکفیر کے تیر چلاتے رہتے ہیں ان کو نظرانداز کرنا چاہئے۔ یہ چیزیں غالی واعظین اور مذہبی پیشہ ور قسم کے لوگوں کے اندر ہوتی ہی ہیں۔ اہل تشیع کا مستند موقف بہرحال یہی ہے کہ ہم اسی قرآن کو تسلیم کرتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتب کردہ قرآن بھی اگر کہیں دنیا میں پھر ظاہر ہوا تو وہ بھی' سوائے ترتیب نزولی کے' بعینہٖ یہی قرآن ہوگا' اس میں کسی آیت کی کمی بیشی ہرگز نہیں ہوگی۔ میں عرض کرچکا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم پر تدبر کی غرض سے اس کی آیات کو ترتیب نزولی کے اعتبار سے مرتب کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ ترتیب نزولی اگرچہ آج ہمیں صحیح طور پر معلوم نہیں لیکن ان کے علم میں تو تھی' ان کی آنکھوں کے سامنے پورا قرآن نازل ہوا۔ چنانچہ اگر انہوں نے اس اعتبار سے کوئی نسخہ مرتب کیا ہو اور اگر کبھی وہ ظاہر بھی ہوگیا تو ہمیں بھی قرآن کی صحیح ترتیب نزولی معلوم ہوجائے گی' لیکن یہ ایک محض علمی یا نظری بات ہے اور اس وقت تک تو وہ بھی اسی کو قرآن مانتے ہیں' لہٰذا یہ ہمارے اور ان کے مابین مشترک ہے۔

البتہ جہاں تک حدیث کا معاملہ ہے ان کے اپنے مجموعے ہیں' لہٰذا یہاں آکر فرق واقع ہوجاتا ہے اور اختلاف گہرا ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ بھی تفرقہ نہیں ہے' کیونکہ تفرقہ تو تب ہوگا جب سنت کا انکار کیا جائے اور رسول ﷺ کی نبوت کی مہر کو توڑا جائے۔ البتہ یہاں اختلاف نسبتاً زیادہ گہرا ہے اس اختلاف کی نسبت جو حنفیوں اور شافعیوں یا مالکیہ اور حنابلہ کے مابین ہے یا اہلحدیثوں اور احناف کے مابین ہے۔ اس لئے کہ جب کسی مسئلہ پر گفتگو ہوگی اور استدلال کا معاملہ ہوگا تو دونوں جانب سے حدیثیں پیش کی جائیں گی اور جو حدیثیں وہ پیش کریں گے وہ اہل سنت کے نزدیک معتبر نہیں ہوں گی اور جو حدیثیں اہل سنت کے نزدیک معتبر اور معتمد علیہ ہیں وہ ان کے نزدیک قابل اعتبار نہیں۔ لہٰذا صرف اس درجے میں یہاں اختلاف گہرا ہے' تفرقہ پھر بھی نہیں ہے۔ اس حوالے سے' جیسا کہ میں نے عرض کیا' دین پھر بھی ایک رہا۔ اس لئے کہ دین نام ہے اللہ کی حاکمیت اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا۔

اس حوالے سے آج ہمیں وہی بات شیعوں اور سنیوں سے کہنی چاہئے جو قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بڑے لطیف پیرائے میں یہودیوں اور عیسائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہی۔ یہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۰ ہے' جو پہلے پارے کی آخری سے پہلی آیت ہے :

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ' قُلْ ءَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۔

"(تم جو یہودیت اور نصرانیت لئے پھرتے ہو تو) کیا تمہارا یہ قول ہے کہ ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور ان کی اولاد یہودی تھے یا نصرانی تھے؟ (اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ زیادہ جانتا ہے؟"

بالکل اسی حوالے سے سمجھئے کہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" شیعہ تھے یا سنی تھے؟ ابوبکرؓ سنی تھے یا شیعہ؟ علیؓ شیعہ تھے یا سنی تھے؟ توحید اور رسالت پر جمع ہو کر یہ سارے تفرقے ختم کئے جا سکتے ہیں۔ اس ایک بات میں سارے اختلافات کا حل ہے۔ یہی بات آگے چل کر سورۂ آل عمران میں فرمائی گئی :

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ' وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (آیت ۶۷)

"(دیکھو' ہوش کے ناخن لو) ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے۔ وہ تو یکسو تھے' اللہ کے اطاعت گزار (حاکمیتِ الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے والے) اور وہ مشرک نہیں تھے"۔

مشرک تو وہ ہے جو اللہ کی اطاعت سے سرتابی کر رہا ہے' جس نے کسی اور کو الٰہ بنا لیا ہے' جو اللہ کی حاکمیت سے انحراف کر رہا ہے' خود حاکم بنا بیٹھا ہے یا اللہ کے سوا کسی اور کو حاکم مانے ہوئے ہے۔ اللہ کی حاکمیت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا اصول اگر تسلیم کیا جائے اب تفرقہ نہیں رہا' اختلاف ہے۔ البتہ اختلاف اہل سنت کے مختلف مسالک اور مذاہب کے درمیان نسبتاً کم ہے اور اہل تشیع کے ساتھ اہل سنت کا اختلاف نسبتاً گہرا ہے۔

مسئلے کی اہمیت۔ چار پہلو

سوال یہ ہے کہ اس کا حل کیا ہے؟ مجھے اس کا حل بھی پیش کرنا ہے' لیکن اس سے

پہلے میں اس مسئلہ کی اہمیت آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں اور اچھی طرح نوٹ کر لیجئے کہ اس کی اہمیت کے چار پہلو یا ابعاد (dimensions) ہیں یہ لفظ میں خاص طور پر "4-dimensional space" یعنی "ابعادِ اربعہ" کے تصور کے اعتبار سے استعمال کر رہا ہوں۔ اس کے تین ابعاد تو سب کو نظر آتے ہیں' لیکن چوتھا غیر مرئی (invisible) ہے۔ یہ فزکس کا مسئلہ ہے۔ ایک کمرے کی تین dimensions تو اس کی اونچائی لمبائی اور چوڑائی ہیں۔ یہ تینوں ابعاد جہاں ملتے ہیں (ایک کونے پر) وہاں ان کو represent کرنے والے تینوں خطوط ایک دوسرے پر زاویہ قائمہ بناتے ہیں۔ آئن سٹائن کے نظریئے کے بعد سائنس کی دنیا میں یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ

"Time is also the 4th dimensions of the space"

چنانچہ وقت کو مکان (space) کے ایسے بُعدِ رابع (4th dimension) کی حیثیت حاصل ہے جو نظر نہیں آتا اور نہ صرف نظر نہیں آتا بلکہ قابل تصور (imaginable) بھی نہیں ہے۔ لیکن علم ریاضیات یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ dimension موجود ہے اور یہ ایک ایسے خط مستقیم سے represent کی جاتی ہے جو ان تینوں کے ساتھ زاویہ قائمہ بناتا ہے' جو ظاہر ہے کہ ہمارے تصور کے اعتبار سے ناممکن ہے۔ تو ان تینوں خطوط کے ساتھ چوتھا خط ان میں سے دو کے ساتھ ۹۰ کا زاویہ بنائے گا تو تیسرے کے ساتھ ۱۸۰ کا زاویہ بنائے گا' لیکن "ہر چند کہیں کہ ہے' نہیں ہے" کے بجائے کہنا پڑے گا کہ "ہر چند کہیں کہ نہیں ہے' ہے!"۔ یہ ہے ریاضیات کا ایک جدید مسئلہ جس کا میں نے صرف حوالہ دیا ہے کہ "ابعادِ اربعہ" میں سے تین مرئی اور ایک غیر مرئی ہے۔ میرے نزدیک اس مسئلہ کی چوتھی dimensions اصل اہمیت کی حامل ہے لیکن اس کے بارے میں میں بعد میں عرض کروں گا۔ پہلے میں اس مسئلہ کے "ابعادِ ثلاثہ" (3-dimensions) بیان کرتا ہوں :

۱۔ دہشت گردی اور تخریب کاری کی کمین گاہ

اس مسئلہ کی اہمیت کا بُعدِ اول یا اس کی پہلی جہت یہ ہے کہ اس وقت ملک میں دہشت گردی اور تخریب کاری نے شیعہ سنی اختلاف کو ایک اہم کمین گاہ اور ڈھال (cover)

کے طور پر استعمال کیا ہے اور میں صاف صاف عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ داخلی نہیں ہے بلکہ اس کے ڈانڈے باہر ہیں۔ شاید آج یا کل کے اخبار میں برطانیہ سے یہ خبر تھی کہ وہاں سے کافی عرصے سے عالم اسلام میں مبلغین بھیجے جا رہے ہیں تاکہ شیعہ سنی اختلافات کو ابھارا جا سکے اور یہ میں آپ کو اسی مقام پر امریکہ جانے سے پہلے بتا چکا تھا کہ Samoel P. Huntington جو اس وقت امریکہ کا بہت بڑا سیاسی مبصر اور مشیر ہے' اس کے ایک بہت بڑے مقالے "Clash of Civilizations" کا اس وقت دنیا میں بڑا چرچا ہے۔ اس کے نزدیک اب دنیا میں قوموں اور ملکوں کا ٹکراؤ نہیں ہو گا بلکہ تہذیبوں کا ٹکراؤ ہو گا۔ اس نے لکھا ہے کہ اس وقت دنیا میں آٹھ تہذیبیں موجود ہیں' ایک ہماری مغربی تہذیب اور سات دوسری۔ لیکن ان سات میں سے پانچ کو تو ہم آسانی سے اپنے اندر سمو سکتے ہیں اور انہیں ہضم کر سکتے ہیں' لیکن دو تہذیبیں ایسی ہیں کہ وہ ہمارے لئے لوہے کے چنے ثابت ہوں گی جنہیں چبانا آسان نہیں۔ ایک مسلم تہذیب اور دوسری کنفیوشین تہذیب جس کی نمائندگی اس وقت چین کر رہا ہے۔ لہٰذا اس نے دو مشورے دیئے ہیں---- ایک یہ کہ چین اور اسلامی ملکوں کو قریب نہ آنے دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایشیا پیسیفک (بحرالکاہل) کانفرنس منعقد کی گئی تاکہ چین کو eastward looking کر دیا جائے کہ وہ صرف اپنے مشرق کی طرف دیکھے اور مغرب کی طرف رخ ہی نہ کرے جہاں عالم اسلام ہے۔ اور دوسرا مشورہ اس نے یہ دیا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو ہوا دی جائے۔ ایک اعتبار سے یہ ان لوگوں کی جرات اور دیانت کا مظہر بھی ہے کہ بات صاف اور کھل کر کر رہے ہیں' اپنے تاش کے سارے پتے سامنے رکھ دیئے ہیں کہ تمہارے اندر اگر ہمت ہے تو راستہ روک لو! چنانچہ یہ اس کا مقالہ ہے جو چھپا ہوا ہے۔ اور اب سوچئے کہ ان خطوط پر کیا کچھ ہو رہا ہو گا۔ اس حوالے سے ہمارے ہاں دہشت گردی اور تخریب کاری کے ذریعہ شیعہ سنی اختلاف کو ہوا دینے کا معاملہ اس مسئلے کا بہت بڑا پہلو ہے۔ اور میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کی نوعیت محض اندرونی نہیں ہے' بلکہ اس کے بیرونی ڈانڈے ہیں جو بہت اہم ہیں۔

خاص طور پر جہاں تک کراچی کا تعلق ہے وہاں اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ ہے ایم کیو ایم کے دو دھڑوں (الطاف گروپ اور حقیقی گروپ) کا آپس میں تصادم۔ شیعہ سنی اختلاف کے علاوہ یہ دوسرا پہلو ہے جس کی آڑ میں تخریب کاری ہو رہی ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ نہ کچھ تصادم فی الواقع بھی ہے' جس طرح شیعہ سنی چپقلش بھی کچھ نہ کچھ فی الواقع بھی موجود ہے' اس کی نفی کون کرے گا۔ بہرحال کوئی شے موجود ہوتی ہے تو اسی کو دشمن آڑ کے طور پر استعمال کر سکتا ہے' اگر کوئی شے موجود ہی نہ ہو تو اسے آڑ یا ڈھال کیسے بنایا جا سکتا ہے۔

کچھ تو ہوتے بھی ہیں الفت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

چنانچہ کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہے' تبھی بات بنتی ہے۔ اسی طرح حقیقی اور الطاف گروپ کے اختلاف کا معاملہ ہے۔

بہرحال اگر کسی درجے میں شیعہ سنی مفاہمت کا کچھ معاملہ ہو جائے تو دشمن کی کم از کم ایک کمین گاہ تو ختم ہو جائے گی اور دوسری کے بارے میں بھی ایک بات میں نہ معلوم کب سے کہہ رہا ہوں کہ اس ملک کے مزید چھوٹے صوبے بنائے جائیں' اور یہ کہ اگر آپ نے مہاجروں کو الگ صوبہ نہ دیا تو شدید اندیشہ ہے کہ یہ ملک ٹوٹ جائے گا۔ اور اب اس کے ٹوٹنے میں کیا دیر رہ گئی ہے؟ کل کے روزنامہ پاکستان میں عزیزم اقتدار احمد کا جو کالم شائع ہوا ہے اس سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایم کیو ایم حقیقی کے بڑے لیڈر آفاق احمد خان یہاں آ کر وہ ساری باتیں کہہ گئے ہیں جو اس سے قبل کراچی میں صرف کھسر پھسر کے انداز میں گردش کرتی تھیں۔ وہ صاف کہہ گئے ہیں کہ کراچی کی علیحدگی کا معاملہ طے پا چکا ہے' اس کا منصوبہ بن چکا ہے اور اپریل کے شروع میں اس کی تعمیل ہونے والی ہے۔ پہلے وسیع پیمانے پر خونریزی اور کشت و خون ہو گا اور پھر اس کے بعد اقوام متحدہ کی فوجیں آ موجود ہوں گی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پاکستان ہی کی فوج اقوام متحدہ کی کیپ اپنے سروں کے اوپر سجا کر آ جائے۔ اور میرے نزدیک تو انتہائی چشم کشا خبر آج کے اخبارات میں آئی ہے کہ اقوام متحدہ کے کسی ذمہ دار آدمی نے کہا ہے کہ ہماری وزیراعظم صاحبہ اقوام متحدہ کو یہ

درخواست دے چکی ہیں کہ ہم کراچی میں امن قائم نہیں کرسکتے لہٰذا ہماری مدد کی جائے۔ تو کیا اب کراچی کے صومالیہ بننے میں کوئی دیر رہ گئی ہے؟ باقی جو دو سفارت کار وہاں قتل ہوئے ہیں وہ بہت بڑی سازش ہو سکتی ہے۔ آخر ضیاء الحق مرحوم کے ساتھ بھی تو امریکہ کے سفیر جیسی شخصیت ختم ہو گئی تھی تو یہ بھی ایک بہانہ ہو سکتا ہے۔ صدام حسین نے بھی ایک سفیرہ کے مشورے پر غلط قدم اٹھایا تھا' جو خود اس کا بھرکس نکالنے کا ذریعہ بن گیا۔ تو اگر دو سفارت کاروں کی جان چلی جائے اور اس طرح حالات کچھ ایسے بن جائیں جو ان کے عزائم کے لئے سازگار ہوں تو یہ ان کے لئے کیا برا ہے۔ چنانچہ سفارت کاروں کی موت پر یہ کہا بھی گیا ہے کہ اگر امریکی شہری کسی بھی ملک کے اندر قتل ہو جائیں تو اس معاملہ پر اطلاق امریکہ کے قانون کا ہو گا' نہ کہ اس ملک کے قانون کا جہاں وہ قتل ہوئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون! کہاں ہے وہ آپ کا حاکمیت (Sovereignty) کا تصور؟ یہ تو ہماری حدودِ حاکمیت ہیں' ان میں آپ کا کیا عمل دخل؟ یہ بات تو عالمی سطح پر تسلیم کی جاتی ہے کہ کسی ملک میں قائم دوسرے ممالک کے سفارت خانے اس ملک کی حدود حاکمیت سے خارج ہوتے ہیں' لیکن یہ کہ اگر امریکی شہری یہاں قتل ہو جائیں تو اس پر امریکی قانون کا اطلاق ہو گا' پاکستان کے قوانین کا نہیں' ایں چہ بوالعجبی است؟ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد بھی اگر آنکھیں نہ کھلیں تو بربادی ہمارا مقدر ہے۔ اب تو صورت حال بالکل واضح ہو کر سامنے آگئی ہے۔

اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نوں

اور ہمارا حال اس وقت وہ ہو چکا ہے کہ ع "میری دنیا لٹ رہی تھی اور میں خاموش تھا!" آج ہماری نگاہوں کے سامنے کراچی ہمارے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے اور عملی طور پر وہی نقشہ پیش کر رہا ہے جیسے سورۃ الواقعہ میں نقشہ کھینچا گیا ہے کہ تمہاری نگاہوں کے سامنے تمہارا کوئی عزیز دم توڑ رہا ہے' تم اسے روک سکتے ہو تو روک لو! "فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ○ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○" غیر مرئی فرشتے تمہارے عزیز کی جان نکال کرلے جا رہے ہیں' تمہاری نگاہوں کے سامنے اس کی موت واقع ہو رہی ہے' کیا تم اسے

روک سکتے ہو؟ اگر ایسے ہی طاقتور ہو تو اسے روک لو نا! اور اب بھی اگر ہم ہوش میں نہ آئے تو ع "نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!" بہرحال اگر ہم اب بھی نہ جاگے تو.....؟

کراچی کے مسئلہ کا میرے نزدیک جو حل ہے وہ میں بڑے عرصے سے پیش کر رہا ہوں اور آج کے اخبارات میں مرتضیٰ بھٹو کے ساتھی خلیق الزمان صاحب کا بیان مجھے ایک اعتبار سے خوش آئند معلوم ہوا ہے' اگرچہ وہ کسی اور لب و لہجے میں آیا ہے' کہ "ہم کراچی کو الگ صوبہ نہیں بننے دیں گے اور یہ کہ اگر سندھ ٹوٹا تو پنجاب پہلے ٹوٹے گا"۔ میں تو اس کے حق میں ہوں اور بارہا کہہ چکا ہوں کہ خدا کے لئے پاکستان کے چھوٹے صوبے بناؤ' پنجاب کو بھی چھوٹے صوبوں میں تقسیم کرو۔ ہندوستان میں ہم جو مشرقی پنجاب چھوڑ کر آئے تھے وہ تین صوبوں' ہماچل پردیش' پنجاب اور ہریانہ میں تقسیم ہو چکا ہے' تو کیا ان میں سے کوئی صوبہ ہندوستان سے باہر چلا گیا ہے؟ وہ تینوں یقیناً ہندوستان ہی کے صوبے ہیں۔ تو ہم نے انگریز کی بنائی ہوئی صوبائی تقسیم کو آسمانی وحی اور شریعت کا درجہ کیوں دے رکھا ہے اور اسے پتھر کی لکیر کیوں مانے ہوئے ہیں؟ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر ہم نئی صوبائی تقسیم نہیں کریں گے اور چھوٹے صوبے نہیں بنائیں گے تو ملکی سالمیت کو شدید خطرہ لاحق رہے گا۔ اور اگر ہم صوبائی عصبیتوں کے گرداب سے نہ نکل سکے اور ہم نے کراچی کو الگ صوبہ نہ بنایا تو شاید پورے ملک سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ اس طرح کی ضدم ضدا کا نتیجہ نہایت خوفناک نکلتا ہے ع "یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری!"

آپ جانتے ہوں گے کہ جب سلیمان اعظم سلطان محمد فاتح کی فوجیں قسطنطنیہ کا حاصرہ کئے کھڑی تھیں تو ایا صوفیہ کے گرجا میں پادری آپس میں لڑ رہے تھے اور ان کے مابین ان مسائل پر بحث ہو رہی تھی کہ ایک سوئی کی نوک پر کتنے فرشتے آ سکتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ نے جو روٹی کھائی ہے وہ خمیری تھی یا فطیری؟ اور یہ کہ حضرت مریم' حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے بعد بھی کنواری رہیں یا نہیں؟ یہ تین "عظیم الشان" مسائل تھے جو اندر زیر بحث تھے اور باہر سلطان محمد فاتح کی فوجیں کھڑی تھیں۔ اور یہی حشر ہمارا ہوا تھا۔ جب انگریز ہندوستان میں قدم بقدم آگے بڑھ رہا تھا تو ہمارے ہاں یہ بحثیں چل رہی تھیں کہ اللہ

جھوٹ بولنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر نہیں بول سکتا تو ہر شے پر قادر تو نہ ہوا اور اگر بول سکتا ہے تو یہ اس کی شان کے منافی ہے۔ پھر یہ کہ کیا اللہ خود بھی کوئی دوسرا محمدؐ پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اُس وقت مسلمانوں کے چوٹی کے علماء "امکانِ کذب" اور "امتناعِ نظیر" کی ان بحثوں میں الجھے ہوئے تھے اور انگریز بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ وہی حال آج ہمارا ہو رہا ہے کہ صوبوں کو لئے بیٹھے رہو' اپنی انانیت کو لئے بیٹھے رہو لیکن ملک ٹوٹتا ہے تو ٹوٹنے دو!

۲۔ نفاذِ اسلام کی راہ کی ایک اہم رکاوٹ

دوسرا پہلو (2nd Dimension) یہ کہ جو کچھ آج پاکستان کے اندر ہو رہا ہے اس کا فائنل تجزیہ جو میں بارہا آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں' اسے اختصار کے ساتھ پھر بیان کر رہا ہوں۔ پاکستان کے لئے صرف استحکام کی واحد بنیاد ہی نہیں بلکہ اس کی بقا کی وجہِ جواز بھی اسلام ہے۔ اگر یہاں اسلام نہیں آتا تو اس کے باقی رہنے کا کوئی جواز ہی نہیں۔ اور یہاں یہ سب کچھ افراتفری' لوٹ کھسوٹ' بدامنی اور عدم استحکام اسی لئے ہے کہ ہم نے اس کی اس واحد وجہ جواز ہی کو مشکوک بنا دیا ہے۔ نتیجتاً یہ عذاب الٰہی کے کوڑے ہیں جو ہماری پیٹھ پر پڑتے ہیں۔ قمری حساب سے قیام پاکستان کو ۲۵ برس پورے ہونے پر ۱۹۷۱ء میں ہم پر پہلا کوڑا برسا جب ملک دولخت ہوا۔ اور اب دوسرے ۲۵ برس ہونے میں صرف ایک برس باقی رہ گیا ہے اور "نویدیں" سنائی جا رہی ہیں کہ اپریل سے کوئی دھندا شروع ہو رہا ہے۔ اللہ کرے کہ یہ باتیں غلط ہوں' جھوٹی ہوں' لیکن حقائق تو نظر آ رہے ہیں اور کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے بلی تو غائب نہیں ہو جائے گی --- اور اس ساری پیچیدگی کا واحد حل یہی ہے کہ یہاں اسلام آئے۔

یہاں اسلام اب تک کیوں نہیں آیا' اس کے دو بڑے بڑے سبب ہیں۔ ان میں سے ایک سبب جو میں بارہا بیان بھی کر چکا ہوں وہ دینی جماعتوں کی یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ وہ انتخابی سیاست کے اکھاڑے میں اتر کر پاور پالیٹکس کے کھیل میں شریک ہو گئیں' انہیں اقتدار کی غلام گردشوں کے اندر چلنے پھرنے اور وی آئی پی ٹریٹمنٹ کے چسکے پڑ گئے اور یہی شے تھی جو بیڑہ غرق کرنے والی تھی۔ اس وقت میں اس کی مزید کوئی تفصیل بیان نہیں

کروں گا' یہ میرا وہ موقف ہے جو میں بارہا تفصیل سے بیان کر چکا ہوں اور اپنی کتاب "استحکام پاکستان" بھی میں میں اس پر تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ اس کے علاوہ اس کا دوسرا سبب شیعہ سنی اختلاف ہے جو واقعتاً بہت بڑا اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی نوعیت حنفی' مالکی' شافعی والے اختلاف کی نہیں ہے' کیونکہ شیعہ اور سنی کے نزدیک سنت رسولؐ کے ماخذ جدا جدا ہیں' جبکہ دین کی عملی شکل تو سنت ہی سے سامنے آتی ہے ع "مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست!"

تو یہ اس مسئلہ کی دوسری dimension (جہت) ہے۔ چنانچہ اگر ہم شیعہ سنی مفاہمت کی کوئی راہ تلاش کرلیں تو اس سے ایک تو اس ملک میں دہشت گردی اور تخریب کاری کی ایک اہم کمین گاہ ختم ہو سکی ہے اور پورے ملک کی سطح پر اہم ترین کمین گاہ یہی ہے' البتہ کراچی میں ایک دوسری کمین گاہ بھی ہے جس کا تذکرہ میں کر چکا ہوں۔ اللہ کرے کہ ہمارے سیاست دانوں کو عقل آجائے' ان لوگوں کو سمجھ آجائے جن کے ہاتھوں میں "تقدیر حنا" ٹھہری ہے۔

رنگِ گل کا ہے سلیقہ' نہ بہاروں کا شعور
ہائے کن ہاتھوں میں تقدیرِ حنا ٹھہری ہے!

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں کو صحیح راستے کی طرف پھیر دے اور انہیں اپنی سیاسی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر اس ملک کی سالمیت کے لئے تقاضوں کو پورا کرنے کی ہمت عطا کر دے۔ بہرحال شیعہ سنی مفاہمت کا معاملہ بھی اس سے کم اہم نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر یہاں کوئی شیعہ سنی اتحاد ہو جائے' مفاہمت کی کوئی صورت بن جائے تو اس ملک میں اسلام کے نفاذ کی طرف یہ ایک بہت بڑا Break through ہو گا اور اس سے اتنی بڑی پیش رفت ہو گی کہ پھر اس سمت میں آگے چلنا بہت آسان ہو گا۔

۳۔ نیو ورلڈ آرڈر کی یلغار

اب میں اس مسئلہ کے تیسرے پہلو (3rddimension) کی طرف آتا ہوں۔ اس کو بھی میں بڑی تفصیل سے تحریر و تقریر میں بیان کر چکا ہوں اور اس موضوع پر میری کتاب

بھی "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل" کے نام سے منصۂ شہود پر آ چکی ہے۔ یہ تیسرا پہلو نیو ورلڈ آرڈر کی یلغار سے متعلق ہے۔ اس یلغار کا انداز بھی ہمارے سامنے آ چکا ہے کہ ہماری حدودِ حاکمیت کو کوئی حیثیت ہی نہیں دی جا رہی۔ (واضح رہے کہ یہاں پر حاکمیت یا Soverignty کا لفظ میں جدید اصطلاح کے طور پر استعمال کر رہا ہوں۔) اب وہ یہاں آ کر تحقیقات کریں گے اور مجرموں کو پکڑیں گے۔ ہمارے ہاں سے تو وہ اپنا مجرم یوں ہمارے آنکھوں دیکھتے لے کر چلے جائیں' اور اگر آپ کہتے ہیں کہ الطاف حسین بہت بڑا مجرم اور قاتل ہے تو آپ اس کو باہر سے کیوں نہیں بلاتے؟ اس پر مقدمہ کیوں نہیں چلایا جاتا؟ اگر وہ فی الواقع مجرم ہے تو عدالت میں ثابت کرو' ورنہ اس کے ساتھ مذاکرات کا راستہ اختیار کرو! اگر تم ان کا مجرم یہاں سے ان کو دے سکتے ہو تو اپنے مجرم کو یہاں کیوں نہیں بلا سکتے؟ دنیا میں تو معاملات دو طرفہ بنیادوں پر ہوتے ہیں۔ بہرحال یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہ نیو ورلڈ آرڈر حقیقت میں جیو ورلڈ آرڈر ہے۔

آفاق احمد صاحب نے یہاں آ کر جو باتیں کہیں وہ میرے علم میں کل کے روزنامہ پاکستان سے آئی ہیں۔ میں تو یہاں تھا نہیں' انہوں نے یہاں ایک تقریب میں آ کر یہ باتیں کی ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہودی سازش میں یہ چیز طے پا چکی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور ظاہر ہے کہ "نزلہ بر عضوِ ضعیف" کے مصداق پہلے پاکستان کی باری ہے۔ ہم نے خود اس کے لئے میدان تیار کر رکھے ہیں کہ آؤ کھیلو اور کودو! میرے علم میں یہ بات پہلے سے ہے اور بہت سے لوگوں کے ذریعے یہ بات سامنے آ چکی ہے' لیکن میں یہ باتیں اس لئے بیان نہیں کرتا کہ میرے نزدیک ان کی حیثیت غیر مصدقہ اور سنی سنائی باتوں کی تھی۔ اب ایک اہم سیاست دان نے یہ بات کہی ہے تو میں اس کے حوالے سے اسے بیان کر رہا ہوں' بلکہ میں تو اس سے آگے عرض کرتا ہوں کہ یہودیوں کے سامنے امریکہ کے بھی حصے بخرے کرنے کا پروگرام ہے اور وہ اس کے ٹکڑے کر کے رہیں گے۔ وہ اس کو اس وقت تک استعمال کرتے رہیں گے جب تک وہ استعمال ہوتا رہا' اور کسی وقت بھی اگر امریکہ نے ان کی سکیم کے آگے بند باندھنے کی کوشش کی تو جس طرح انہوں نے چشم زدن میں USSR کو دنیا میں نسیاً منسیا کر دیا' اسی طرح وہ USA

کے بھی ٹکڑے کر دیں گے ' اس لئے کہ پوری معیشت کے لیور پر ان کا ہاتھ ہے ' ان کی طرف سے ایک حرکت ہو گی ' شیئر مارکیٹ کے اندر ایک زلزلہ آئے گا اور امریکہ کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔ امریکہ سے زیادہ کمزور (Fragile) معیشت تو دنیا کے کسی دوسرے ملک کی نہیں ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ مقروض حکومت امریکہ کی ہے اور اس کے قرض خواہ یہودی بینکار ہیں اور وہاں کے بینک حکومت کی تحویل میں یا حکومت کے زیر اثر نہیں ہیں بلکہ آزاد ہیں اور حکومت سے بالاتر ہیں ' لہٰذا یہودی جب چاہیں امریکہ کو توڑ سکتے ہیں۔ تو اس "جیو ورلڈ آرڈر" کے بارے میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔

کبھی مغرب سے ایک سیلاب نو آبادیاتی نظام کا آیا تھا ' لیکن اس کا آغاز مشرق بعید میں عالم اسلام سے ہوا تھا۔ سب سے پہلے جاوا ' سماٹرا ' انڈونیشیا ' ملائشیا اور ہندوستان کو اپنی زد میں لے کر پھر وہ شرقِ اوسط کی طرف گیا تھا۔ لیکن اس وقت نیو ورلڈ آرڈر کا جو سیلاب آیا ہے اس نے سب سے پہلے عالم عرب کو اپنے شکنجے میں کس لیا ہے ' چنانچہ اب عالم عرب تو یہودیوں کی مٹھی میں ہے۔ اب تو وہاں پر ایک اکنامک بلاک بنے گا اور یورپ کی طرح کی ایک مشترکہ مارکیٹ وجود میں آئے گی ' جس میں سرمایہ اور محنت عربوں کی صرف ہو گی اور تکنیکی مہارت (Know How) ' انتظام و انصرام اور ٹیکنالوجی یہودیوں کی ہو گی۔ اس طرح ملائی یہودی کھائے گا اور تلچھٹ عربوں کے حصے میں آئے گی۔ یہودیوں کے پیش نظر یہی ہے کہ وہ صرف عالمی مالیاتی نظام قائم کر کے اپنی عالمی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کے علاوہ دنیا کے تمام انسانوں کی حیثیت ڈھور ڈنگروں کی ہے ' گھوڑوں اور گدھوں کی ہے ' جن کا کام ان کی خاطر محنت اور کوشش کرنا ہے تاکہ ان کی کمائی کا بہترین حصہ انہیں حاصل ہوتا رہے۔ باقی جس طرح گھوڑے کو کام کے قابل رکھنے کے لئے دانہ ڈالنا ضروری ہوتا ہے ' اسی درجے میں ان لوگوں کو بھی کھانا تو فراہم کیا جائے ' البتہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے ذریعے سے اس عالمی مالیاتی نظام کی ساری ملائی ان کے پاس پہنچتی رہے ۔ اللہ اللہ ' خیر سلا۔ براہ راست اپنی حکومت قائم کر کے انہیں کیا لینا ہے؟

اس ضمن میں مذہبی یہودیوں اور سیکولر یہودیوں کے درمیان اب صرف ایک اختلاف باقی رہ گیا ہے اور وہ یہ کہ مذہبی (Practicing) یہودی دریائے نیل سے

دریائے فرات تک عظیم تر اسرائیل قائم کرنے پر مصر ہیں اور باقی پوری دنیا پر صرف معاشی اور مالیاتی تسلط قائم کرنا چاہتے ہیں' جبکہ سیکولر یہودی (Zionists) انہیں کسی طریقے سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے! اپنی حکومت قائم کر کے یہی کچھ کرو گے نا کہ لگان لو گے' ٹیکس وصول کرو گے۔ اور اگر اس کے بغیر ہی تمہیں سب کچھ ملتا چلا جائے تو حکومت بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اجڈ' جاہل' گنوار جن کے پاس تیل اور سرمایہ موجود ہے' ذہنی و فکری صلاحیتوں سے عاری ہیں' ان کے پاس علم ہے نہ ٹیکنالوجی' نہ انہیں تنظیمی و انتظامی امور کا کچھ سلیقہ حاصل ہے' جبکہ ہمارے پاس یہ سب کچھ ہے' چنانچہ محنت یہ لوگ کریں گے اور کھائیں گے ہم۔ تو یہ اختلاف ہے جو اِس وقت یہودیوں کے مابین پایا جاتا ہے۔ اسرائیل میں یہودیوں کا جو طبقہ اقتدار پر قابض ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ دنیا پر ہمارا معاشی تسلط مضبوط تر ہو جائے اور ہم یہاں بیٹھے دنیا بھر کی معیشت کی ملائی کھاتے رہیں۔

اس نیو ورلڈ آرڈر یا جیو ورلڈ آرڈر کے آگے اب جو "آخری چٹان" باقی رہ گئی ہے وہ پاکستان' ایران' افغانستان اور چینی و روسی ترکستان پر مشتمل مسلمان ممالک کا یہ بلاک ہے۔ اگر نقشے پر دیکھیں تو ان ممالک کے عین قلب میں افغانستان واقع ہے' جس کے جنوب میں بلوچستان' مشرق میں پاکستان کا بقیہ حصہ' مغرب میں ایران اور شمال میں ترکستان کے مختلف ممالک دستار کے طرے کی مانند نظر آتے ہیں۔ یہ وہ "آخری چٹان" ہے جو یہود کے اس نیو ورلڈ آرڈر کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد تو مسلمان ممالک میں سے بنگلہ دیش اور انڈونیشیا وغیرہ باقی رہ جاتے ہیں جو مشرق بعید سے متعلق ہیں' درمیان میں بھارت کا بہت بڑا رقبہ آ جاتا ہے جہاں اگرچہ مسلمان بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں لیکن وہ وہاں پر مقہور اور مجبور ہیں اور ان کی وہاں پر سیاسی سطح پر کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے اہم ترین حیثیت اسی بلاک کی ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ اس بلاک میں شیعہ سنی تنازعہ سب مسائل سے زیادہ سخت اور گھمبیر ہے۔

ان تمام ممالک میں صرف ایک ملک ایران ایسا ہے جس نے اس سلسلہ میں کوئی پیش رفت کی ہے اور اس مسئلے کا کوئی حل نکالا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے مذہبی تصورات و عقائد

اور اپنی فقہ کے مطابق ایک مذہبی نظام قائم کیا ہے اور اس حوالے سے میں نے بارہا کہا ہے کہ ایران نے ہمیں روشنی دکھائی ہے' راہنمائی فراہم کی ہے' جبکہ پوری سُنی دنیا "سُن" پڑی ہوئی ہے اور ہمیں کہیں بھی اپنا نظام قائم کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ایرانیوں نے انقلاب برپا کیا اور اپنی سرزمین سے امریکی استبداد کا سب سے مضبوط کھونٹا ایسے اکھاڑ پھینکا کہ شہنشاہ آریا مہر کو وہاں سے بھاگتے بنی اور یہ سب کچھ ایسے ہی نہیں ہوا بلکہ اس کے لئے خون دیا گیا' ہزاروں کی تعداد میں جانیں دی گئیں۔ اور ماننا پڑے گا کہ یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہمیں ایک اور بہت بڑی روشنی دکھائی ہے اور وہ یہ کہ آج مسلح بغاوت نہیں بلکہ غیر مسلح بغاوت سے کام چلے گا اور انہوں نے اس کی مثال قائم کر کے دکھائی ہے۔ میں نے "منہج انقلاب نبوی" میں اس کو ہمیشہ پیش کیا ہے کہ آج انقلاب کا معاملہ مسلح بغاوت سے نہیں ہو گا' آج عوام نہتے ہیں جبکہ حکومتیں اپنے اپنے ہاں کے نظام کے بل بوتے پر قائم ہیں۔ کہیں جاگیرداری نظام کی حکومت ہے تو کہیں سرمایہ دارانہ نظام کی۔ اگر کہیں بادشاہت ہے تو بادشاہ کے پاس پوری طاقت اور اقتدار ہے۔ حکومتوں کے پاس فوجیں ہیں' ایئر فورس ہے' ٹینک اور ہوائی جہاز ہیں۔ ان کے مقابلے میں نہتے عوام بغاوت کر کے کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا آج مسلح بغاوت نہیں غیر مسلح بغاوت کی ضرورت ہے' جو ایرانیوں نے کر دکھائی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایران نے شیعہ سنی مسئلے کا بھی حل کر کے دکھایا ہے' جو میں بعد میں عرض کروں گا۔ اس وقت آپ کے سامنے یہ بات رکھ رہا ہوں کہ یہ مسئلہ ہمارے ہاں پورے خطے میں پیوست ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ افغانستان میں مجاہدین کے آٹھ گروپ پاکستان نواز تھے اور وہ سنی تھے' جبکہ سات گروپ ایران نواز تھے اور وہ شیعہ تھے۔ اور آج بھی وہاں یہ شیعہ سنی مسئلہ چل رہا ہے۔ پاکستان میں تو شیعہ سنی آبادی اس طرح گھلی ملی ہوئی ہے کہ ایک ہی مکان میں نیچے شیعہ رہتا ہے تو اوپر سنی' اور دائیں سنی ہے تو بائیں شیعہ ہے۔ اس حوالے سے' واقعہ یہ کہ پاکستان میں اسلام کے نفاذ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہے اور اگر اس مسئلہ کا کوئی حل نکل آتا ہے تو اس راستے کی ہماری یہ رکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ اس طرح نفاذ اسلام کے بعد یہاں اتحاد کی فضا قائم ہو گی اور اگر یہ اتحاد

اور مفاہمت ہو جائے تو یہی خطہ وہ چٹان ہے جس سے ٹکرا کر نیو ورلڈ آرڈر پسپا ہو سکتا ہے۔

اور ابھی تو یہ غنیمت جانئے کہ چین بھی ایک طاقت کی حیثیت سے موجود ہے' اگرچہ بدقسمتی سے ہم امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بننے کی وجہ سے جدھر جا رہے ہیں' اس کے نتیجے میں چین کو دن بدن اپنے سے دور کرتے چلے جا رہے ہیں۔ آخر کوئی وجہ ہے کہ چین اب پاکستان کی نسبت بھارت سے قریب تر ہو رہا ہے۔ اگر کہیں کراچی پر امریکہ کا عمل دخل قائم ہو جاتا ہے تو یوں سمجھئے کہ چین کے ساتھ تو آپ کا تعلق منقطع ہو گیا' بلکہ پھر چین کے ساتھ آپ کی دشمنی ہو گی' کیونکہ پھر امریکہ یہاں سے پورے علاقے کو مانیٹر کرے گا اور چین پر بھی نگاہ رکھے گا۔

امریکہ تو کشمیر میں قدم جمانے کا سوچ رہا تھا لیکن افسوس کہ اس سے پہلے ہی۔

"خود بخود تیار ہے پکے ہوئے پھل کی طرح
دیکھئے گرتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ"

کے مصداق کراچی پکے ہوئے پھل کی طرح امریکہ کی جھولی میں گرنے کے لئے تیار کھڑا ہے تو اس تیسری dimension کو اس حوالے سے بھی سمجھ لیجئے۔

بہرحال اگر شیعہ سنی مفاہمت ہو جائے تو :

i) ہم یہاں پر دہشت گردی کا ایک بازو توڑ سکتے ہیں۔

ii) پاکستان میں اسلام کے نفاذ کا راستہ ہموار ہوتا ہے اور اس کے لئے جدوجہد آسان ہوتی ہے۔

iii) اس خطے کے مسلم بلاک کے اندر اتحاد اور ریگانگت عمل میں آسکتی ہے۔

پاکستان' افغانستان' ایران اور ترکستان پر مشتمل یہ بلاک بڑا سالڈ (Solid) بلاک ہے۔ (میں ترکی کو اس میں شامل نہیں کر رہا کیونکہ وہ تو تقریباً امریکہ کی جھولی ہی میں ہے اور اس کے امریکہ کا حلیف ہونے میں کوئی شک نہیں۔) اس خطے میں چینی ترکستان ابھی آزاد نہیں ہے' لیکن روسی ترکستان آزاد ہو چکا ہے جو ایک بہت بڑا علاقہ ہے اور اس کے پاس بڑے وسائل و ذرائع ہیں۔ اس پورے مسلم بلاک کے اندر اتحاد کی کوئی بنیاد ہونی چاہئے' اور

ہمارے مابین اسلام کے سوا کوئی اور قدر مشترک ہے ہی نہیں' لیکن اس قدر مشترک میں بھی شیعہ سنی تنازعہ آڑے آجاتا ہے۔ یہ مسئلہ افغانستان میں بھی گڈمڈ ہے اور پاکستان میں بھی۔ اس پورے علاقے میں شیعہ سنی مسئلہ ایک نہایت اہم اور بنیادی مسئلے کی حیثیت سے موجود ہے۔ چنانچہ اگر اس مسئلے کو حل کرلیا جائے تو یہ مذکورہ بالا تین پہلوؤں پر مثبت انداز میں اثر انداز ہو سکتا ہے۔

شیعہ سُنّی مسئلے کا واحد حل

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ میرے نزدیک اس کا حل وہی ہے جو ایران نے پیش کیا ہے اور اس میں وہ ہمیں روشنی فراہم کرچکا ہے۔ کاش کہ پاکستان میں اہل تشیع اس حل کو قبول کرلیں! وہ حل یہ ہے کہ جہاں تک عقائد' عبادات' مساجد' فیملی لاز اور وراثت کے قوانین وغیرہ کا تعلق ہے تو ان میں ہر ایک کو مکمل آزادی ہو کہ وہ اپنی فقہ کے مطابق عمل کرے۔ لیکن ملکی قوانین (Law of the Land) کے معاملے میں صرف اس فقہ کو نافذ کرنے کا اعلان کیا جائے جس کے ماننے والے اکثریت میں ہیں۔ عبادات میں' میں زکوٰۃ کو بھی شامل کر رہا ہوں۔ زکوٰۃ (معاذاللہ) صرف کوئی ٹیکس نہیں ہے بلکہ عبادت ہے۔ میں نے ۱۸/ اگست ۱۹۸۰ء کو علماء کنونشن سے قبل ضیاء الحق صاحب کی خدمت میں دست بستہ عرض کیا تھا کہ خدا کے لئے آپ اپنا زکوٰۃ آرڈیننس واپس لے لیں۔ مسلمان زکوٰۃ پہلے بھی ادا کر رہے تھے' پہلے مسلمان براہ راست دینی مدارس کو زکوٰۃ دیتے تھے۔ اب آپ نے ان سے وصول کرکے ان مدارس کو دینا شروع کر دیا۔ اس سے فائدہ کیا ہو؟ البتہ نقصان یہ ہوا ہے کہ آپ نے شیعہ سنی کی تفریق کردی۔ میں نے ان سے کہا کہ چونکہ یہ عبادات کا معاملہ ہے لہٰذا خدا کے لئے اسے چھوڑ دیجئے۔ نماز کے معاملے میں آپ کسی سے یہ پابندی نہیں کروا سکتے کہ وہ ہاتھ باندھ کر پڑھے یا کھول کر' اور اگر باندھے تو ناف پر باندھے یا سینے پر' یا یہ کہ وہ رفع یدین کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح روزہ پانچ منٹ پہلے افطار کیا جائے یا بعد میں۔ عبادات کا معاملہ ہر ایک پر چھوڑ دیجئے کہ وہ جس طرح چاہے کرے' یہ ایک طرح کا انفرادی معاملہ ہے۔ لیکن جہاں تک ملکی قانون

(Law of the Land) کا معاملہ ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ایک ملک میں دو نہیں ہو سکتے' حدود و تعزیرات سب کے لئے الگ الگ نہیں ہو سکتیں۔ اس کے لئے ہمیں ایران سے راہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔ وہاں یہ کیا گیا ہے کہ ایران کے دستور میں طے کر دیا گیا کہ ان معاملات میں اکثریت کی فقہ یعنی فقہ جعفری کے مطابق معاملہ ہو گا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی حل ہے بھی نہیں۔ یا تو یہ کہہ دیجئے کہ ہمیں اسلام کی طرف جانا ہی نہیں' دین کو اٹھا کر ایک طرف پھینک دو' ہمیں تو اپنی فقہ زیادہ پسند ہے ---- لیکن اگر دین کو اولیت حاصل ہے اور آپ "لَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ" کے قرآنی حکم پر عمل پیرا ہونا چاہتے ہیں کہ دین ایک ہو تو پھر اپنی فقہوں اور اپنے مذاہب و مسالک کو ثانوی درجہ دیجئے۔ یہی کچھ انہوں نے کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کا یہی حل ہے۔ چنانچہ پاکستان کے دستور میں یا تو یہ طے ہو جائے کہ یہاں فقہ حنفی کو ملکی قانون کی حیثیت حاصل ہو گی کیونکہ یہاں غالب اکثریت احناف کی ہے' تاہم اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ جو فقہ حنفی آج سے کئی سو سال پہلے مرتب کی گئی تھی وہ جوں کی توں نافذ کر دی جائے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اب جو اجتہاد ہو گا اور جو قانون سازی ہو گی وہ فقہ حنفی کے اصول فقہ کے مطابق ہو گی۔ یعنی استنباط اور استدلال کے اصول وہی ہوں گے جو فقہ حنفی کے ہیں۔ اس موضوع پر بھی میں "مستقبل کی اسلامی ریاست" اور "نظامِ خلافت کا سیاسی و دستور ڈھانچہ" کے عنوان سے مفصل خطبات دے چکا ہوں جن کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ موجود ہیں۔ تو یہ نہ سمجھا جائے کہ فقہ حنفی جوں کی توں نافذ ہو جائے گی بلکہ آپ کی ایک نئی مقننہ (Legislative) ہو گی جسے ہر میدان میں اجتہاد کرنا ہو گا۔ طے یہ کرنا ہو گا کہ قانون سازی میں کتاب و سنت کی حدود سے تجاوز نہیں ہو گا۔ اگر تجاوز ہوتا ہے تو ہر عالمِ دین کو یہ حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ عدالتِ عالیہ کا دروازہ کھٹکھٹائے اور وہاں جا کر یہ ثابت کرے کہ یہ قانون کتاب و سنت کے خلاف ہے ------ یا پھر ایسا ہو کہ یہاں پر کتاب و سنت کی سنی تعبیرات کو دستور میں ثبت کیا جائے اور فقہ جعفریہ کو عبادات میں بشمول زکوٰۃ مکمل آزادی دے دی جائے۔ اگر وہ خود مان جائیں کہ ہم زکوٰۃ کا کوئی ایسا اجتماعی نظام بناتے ہیں کہ حکومت ہی وصول کرے تو کیا کہنے ہیں' چشمِ ما روشن دلِ ما شاد! لیکن اگر وہ اس پر مصر رہیں کہ زکوٰۃ کا معاملہ ان کا پرسنل رہے

گا تو بھی ٹھیک ہے' اس لئے کہ زکوٰۃ میں عبادت کا عنصر زیادہ غالب ہے اور پرسنل لاء میں عبادات لازمی طور پر آتی ہیں۔ نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ' ان سب میں انہیں مکمل آزادی ہونی چاہئے۔ پھر نکاح طلاق اور وراثت کے قوانین کے علاوہ پرسنل لاء میں جتنی چیزیں بھی آتی ہیں ان میں انہیں مکمل آزادی ہو۔

علماء کنونشن میں شرکت کی دعوت اور زکوٰۃ آرڈیننس

مرحوم ضیاء الحق صاحب نے ۲۰ اگست ۱۹۸۰ء کو پہلا علماء کنونشن منعقد کیا تھا' جس میں شرکت کا مجھے دعوت نامہ موصول ہوا' لیکن چونکہ اسی تاریخ کو مجھے کراچی سے نیویارک روانہ ہو جانا تھا' لہٰذا میں نے اس میں شرکت سے اپنی معذوری ظاہر کی۔ چند روز بعد ضیاء الحق صاحب کا فون آیا کہ اس سے دو روز قبل ۱۸/ اگست کو میں ایک اور میٹنگ بلا رہا ہوں جس میں ہم یہ طے کریں گے کہ اس علماء کنونشن کو کیسے conduct کیا جائے' آپ اس میں تو آ جائیں۔ چنانچہ میں اس میٹنگ میں شریک ہوا۔ اُس وقت تک وہ اسلام آباد والا واقعہ پیش آ چکا تھا کہ اہلِ تشیع نے سول سیکرٹریٹ کا گھیراؤ کر کے اپنے لئے زکوٰۃ کی کٹوتی سے استثناء حاصل کر لیا تھا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق اہل تشیع نے اسلام آباد میں قریباً ۵۰ ہزار کی تعداد میں جمع ہو کر سول سیکرٹریٹ کا گھیراؤ کیا تھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ ہم اپنی زکوٰۃ حکومت کو دینے کو تیار نہیں۔ اُس وقت حکومت کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ ایک راستہ تشدد کا تھا' یعنی لاٹھی چارج' آنسو گیس اور گولی جیسے ذرائع استعمال کئے جاتے۔ لیکن ضیاء الحق صاحب نے اس وقت تحمل کا مظاہرہ کیا جو بلاشبہ بڑی بات تھی' انہیں سخت کڑوی گولی نگلنی پڑی تھی۔ اُس وقت وہ' بقول خود ان کے "مقتدرِ مطلق" (معاذ اللہ) چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر تھے اور ان کا مارشل لاء بھی ابھی جوان تھا' لیکن انہوں نے اس گھیراؤ کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے تھے اور اہل تشیع کا مطالبہ منظور کر لیا تھا۔ ۱۸/ اگست ۱۹۸۰ء کی میٹنگ میں مَیں نے ان سے عرض کیا تھا کہ خدا کے لئے آپ اپنا پورا آرڈیننس واپس لے لیجئے لیکن اس بنیاد پر شیعہ سنی کے درمیان تفریق نہ کیجئے۔ میں نے ان سے یہ الفاظ بھی کہے تھے (حالانکہ اس وقت کئی شیعہ حضرات موجود تھے) کہ اگر آپ یہ تفریق

کریں گے تو گویا کہ بہت سے سنیوں کو شیعہ بننے کی ترغیب دیں گے۔ اور بعد میں ہمارے ہاں واقعتاً یہ ہوا ہے کہ پورے کے پورے گاؤں والوں نے اپنے ہاں سیاہ علم بلند کر دیئے تاکہ عُشر جمع کرنے والے ادھر کا رخ ہی نہ کریں۔ کتنے ہی لوگوں نے بینکوں کو لکھ کر دے دیا کہ وہ شیعہ ہیں تاکہ ان کی زکوٰۃ نہ کاٹی جائے۔ چنانچہ میں نے ان سے عرض کیا کہ زکوٰۃ مسلمانوں کی عبادت ہے' اسے انہی پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اسے خود ہی ادا کریں۔ اس بنیاد پر آپ شیعہ سنی کی تفریق نہ کریں۔ لیکن بہرحال وہ ماننے والے تو تھے نہیں۔ ان کی جو اپنی مصلحتیں اور اپنی ترجیحات تھیں میں ان کا ذکر نہیں چھیڑنا چاہتا۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ' لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ۔ وہ اللہ کے حضور حاضر ہو گئے' اللہ انہیں معاف فرمائے۔

زکوٰۃ۔ مصلحتِ وقت کے تقاضے!

بہرحال قابل غور یہ مسئلہ ہے کہ اِس وقت ہم دنیا کے سامنے ایک آئیڈیل اسلامی ریاست کا جو نقشہ پیش کرنا چاہتے ہیں اس میں سوشل سیکیورٹی اور ہر شہری کی بنیادی کفالت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اور اسلامی ریاست میں ویلفیئر کا جو نظام ہو گا اس کا سب سے بڑا ذریعہ زکوٰۃ ہی ہے۔ اور زکوٰۃ ایک طرف یقیناً عبادت ہے' ارکانِ اسلام میں شامل ہے تو دوسری طرف یہ اسلام کے معاشی نظام کا ایک اہم ستون ہے۔ اس اعتبار سے یہ ریاستی سطح ہی کی چیز ہے۔ لیکن میں یہ عرض کروں گا کہ اِس وقت فی الفور ایک آئیڈیل اسلامی ریاست موجود نہیں ہے اور ہم اس کی طرف ایک تدریجی ارتقاء کا مرحلہ طے کر رہے ہیں۔ اگر ہم انہی چیزوں کو لے کر بیٹھ گئے تو وہ مرحلہ آئے گا ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں تو کوئی شخص اختلاف نہیں کر سکتا کہ زکوٰۃ صرف ٹیکس نہیں ہے (معاذ اللہ)۔ اگر یہ صرف ایک مالیاتی معاملہ ہوتا' صرف ایک ٹیکس ہوتا تو اس کی شرح گھٹائی بڑھائی جا سکتی تھی' جیسا کہ منکرینِ حدیث اور منکرینِ سنت کا موقف ہے۔ لیکن ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ عبادت ہے' لہٰذا جیسے نماز کا نظام محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے معین کر دیا اور اور وہ ابدی ہے' جس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی اسی طرح زکوٰۃ کا نصاب اور اس کی شرح بھی جو محمدؐ

رسول اللہ ﷺ نے معین فرمادی اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔ تو میرے نزدیک اس میں عبادت کا پہلو یقیناً غالب ہے لہٰذا اِس وقت ہمیں اس کے اس پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے اس معاملے کو قبول کرنا چاہئے کہ سنیوں کے اپنے سوشل سیکیورٹی کے ادارے ہوں جہاں ان کی زکوٰۃ جمع ہو اور سنی ہی وہاں سے استفادہ کریں۔ اہل تشیع کا زکوٰۃ کا نظام علیحدہ رہے۔ وہ اپنی زکوٰۃ کہیں اور بھیجنا چاہتے ہوں تو پھر اپنے ہاں کی سوشل سیکیورٹی اور ویلفیئر کے لئے کوئی اور ٹیکس اضافی طور پر دینا قبول کریں اور اپنا نظام بنائیں۔ لیکن بہرحال ہمیں اس طرح کی چیزوں پر غور کرنا پڑے گا' اس لئے کہ یہ بات اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ اگر سنی شیعہ مفاہمت نہیں ہوتی تو اس ملک میں نفاذ اسلام کا مرحلہ نہیں آئے گا۔ شیعہ یہاں پر کوئی ایسی اقلیت نہیں ہے جیسے آپ نظرانداز کر سکیں۔ ان کی اپنی ایک حیثیت ہے۔

علماء کنونشن میں شرکت اور اظہارِ خیال

جنرل ضیاء الحق مرحوم کے ساتھ اس میٹنگ کے بعد جب میں واپس جا رہا تھا تو انہوں نے پھر مجھ سے کہا کہ پرسوں کنونشن ہے' آپ اس میں بھی شریک ہو جائیں' میں اپنا فالکون بھیج دوں گا جو آپ کو کراچی چھوڑ آئے گا۔ میں نے کہا کہ فالکون کے مقابلے میں میں بہت چھوٹی شے ہوں' البتہ کراچی سے میری فلائٹ چونکہ رات کی ہے لہٰذا میں کنونشن میں شرکت کے بعد یہاں سے شام کی فلائٹ سے کراچی چلا جاؤں گا۔ تو میں ۲۰ اگست ۱۹۸۰ء کے اس کنونشن میں بھی شریک ہو گیا۔ وہاں مجھے اظہارِ خیال کے لئے جو موضوع دیا گیا وہ تھا "اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل"۔ وہاں میں نے یہ بیان کیا تھا کہ آج ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ ہمارے یہاں جتنے بھی مسالک و مذاہب ہیں' انہیں ہم تسلیم کریں۔ آپ کتنا ہی چاہیں کہ اسلام میں مختلف مسالک نہیں ہونے چاہئیں' سب ایک ہوں' لیکن عملاً ایسا ممکن نہیں ہے۔ ان مسالک کی بارہ بارہ سو اور چودہ چودہ سو برس کی تاریخیں ہیں۔ سوچئے تو سہی کہ شیعہ سنی تاریخ کب سے شروع ہو رہی ہے! یہ میرے کہنے سے تو ختم نہیں ہو جائے گی' شیعہ ختم ہو جائیں گے نہ سنی ختم ہو جائیں گے۔ اسی طرح سے حنفی' شافعی اور مالکی فقہوں کی بارہ بارہ سو برس کی تاریخیں ہیں۔ یہ ختم

ہونے والی چیزیں نہیں ہیں۔ آپ ان کو باقی رکھتے ہوئے کتاب و سنت کی بالادستی کا اعلان کیجئے اور ہر مسلک کو کھلی آزادی دیجئے۔ اور میں نے یہ بھی کہا کہ آپ ہر مسلک کی رجسٹریشن کروایئے۔ مردم شماری میں ہر شخص بتائے کہ اس کا تعلق کس مسلک سے ہے' تاکہ اگر کوئی فقہی معاملہ پیش آئے تو اسے اس کے مسلک کے مطابق طے کیا جائے۔ ایک مسئلہ یہ بھی پیش آسکتا ہے کہ اگر شیعہ اور سنی باہم شادی کریں تو اس پر کس فقہ کا اطلاق ہو گا۔ اہل تشیع کے ہاں ایک وقت میں دی گئیں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی ہیں جبکہ احناف کے ہاں اس طرح طلاق مغلظ واقع ہو جاتی ہے۔ تو زمین اور آسمان کا فرق واقع ہو گیا۔ اس کا ایک حل یہ ہے کہ اگر سنی لڑکا اور شیعہ لڑکی یا شیعہ لڑکا اور سنی لڑکی رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتے ہیں تو ان میں سے ایک کو قربانی دینا پڑے گی۔ شادی کے وقت وہ نکاح فارم میں لکھوا دیں کہ اس شادی کے جملہ معاملات کونسی فقہ کے تحت طے پائیں گے۔ چنانچہ اگر کوئی جھگڑا ہو تو وہ اسی فقہ کے تحت طے کیا جائے۔

اٹھو وگرنہ حشر.....

ارادہ اور عزم ہو تو کون سا ایسا مسئلہ ہے جو حل نہیں ہو سکتا۔ (Where there is a will there is a way) لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ دین کو قائم کرنے کی اہمیت سامنے ہو' یہ تینوں dimensions سامنے ہوں' یہ احساس اجاگر ہو کہ جب تک یہ مفاہمت نہیں ہو گی ہم تینوں اعتبارات سے مفلوج کھڑے رہیں گے۔ ہم نے شیعہ سنی اختلاف کے باعث ایک طرف دہشت گری اور تخریب کاری کو کمین گاہ فراہم کر دی ہے' دوسری طرف پاکستان میں اسلام کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کی ہے اور تیسری طرف ان تمام مسلم ممالک میں اتحاد کی راہیں مسدود ہو رہی ہیں جن کے بارے میں میں نے کہا ہے کہ یہ جیو ورلڈ آرڈر کو روکنے کے لئے عالم اسلام میں آخری چٹان ہیں۔ بہرحال عرض کر رہا ہوں کہ۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

میں آپ کو اپنا دل چیر کر دکھا نہیں سکتا کہ اس کی کیا کیفیت ہے۔ میں کراچی کو جاتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ اب بھی اگر ہم نہ جاگے تو کیا حشر ہو گا؟ صاف نظر آ رہا ہے کہ ملک ٹوٹ جائے گا اور یہ بات اب ہر شخص کی زبان پر ہے۔ ہم نے یہاں ۱۶ دسمبر کو سقوطِ مشرقی پاکستان کے حادثہ فاجعہ کا دن بھی منایا تھا' جس میں جنرل انصاری صاحب کا دردانگیز خطاب بھی ہوا تھا جس میں انہوں نے لوگوں کے سامنے سقوطِ مشرقی پاکستان کے حالات و واقعات رکھے تھے۔ آج حالات بعینہٖ وہیں پہنچ چکے ہیں۔ آج پھر آپ کے سیاسی راہنما الطاف حسین کے بارے میں مقدمات واپس لینے کے وہی مطالبات کر رہے ہیں جو اُس وقت شیخ مجیب الرحمٰن کے بارے میں کئے گئے تھے جن کے نتیجے میں اگر تلہ سازش کیس واپس لے لیا گیا تھا۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے کہ اگر اس پر مقدمات ہیں تو اسے وہاں پر کیوں بیٹھنے دیا گیا ہے' اسے واپس بلا کر اس پر مقدمات ثابت کئے جائیں۔ اگر وہ واقعتاً قاتل ہے اور تمہارے پاس اسکے خلاف ثبوت موجود ہیں تو اسے واپس کیوں نہیں بلاتے؟ اگر تمہارے ہاں سے کوئی مجرم باہر لے جایا جا سکتا ہے تو پھر باہر سے کیوں نہیں آ سکتا؟ اور اگر اس کے خلاف مقدمات جھوٹے ہیں تو اسے بری کیا جائے' ورنہ جوں جوں وقت گزر رہا ہے اس کی قیادت پختہ سے پختہ پر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ پھر وہی ہو گا جو مجیب نے کہا تھا کہ "اب تو اگر میں خود بھی چاہوں تو پیچھے نہیں جا سکتا"۔ تم نے مجھے اس Point of no return پر پہنچا دیا ہے جہاں سے واپس آنا بھی چاہوں تو میری قوم مجھے نہیں آنے دے گی۔ بعینہٖ یہی حالات اب ہو رہے ہیں ع "یہی عالم تھا جس عالم میں دنیا لٹ گئی اپنی!" بہرحال اگر ہم اس مسئلہ پر سنجیدہ نہیں ہوتے اور یہاں شیعہ سنی مفاہمت نہیں ہوتی تو' خاکم بدہن' ملک ٹوٹ جائے گا' پھر یہ سنی کارے گانہ شیعہ کا۔ اس ملک سے کس کس کی امیدیں وابستہ تھیں۔ یہ پاکستان اسلامیانِ ہند کی پوری نصف صدی کی جدوجہد کا حاصل تھا۔ یہ لاکھوں جانوں کی قربانی دے کر حاصل کیا گیا تھا۔ یہ ترانہ تو یہاں لہک لہک کر گایا جاتا ہے کہ۔

"آؤ بچو سیر کرائیں تم کو پاکستان کی
جس کی خاطر ہم نے دی قربانی لاکھوں جان کی"

کیا ہم وہ قربانیاں بھول گئے ہیں؟ اب تو اس نسل کے' میری عمر کے لوگ بھی یوں سمجھئے کہ چراغِ سحری ہیں جو آگ اور خون کے دریا بالفعل عبور کر کے اس سرزمین تک پہنچے تھے۔ ہم نے حصار سے چل کر سلیمانکی ہیڈ ورکس تک ۱۷۰ میل کا فاصلہ ۲۰ دن میں طے کیا تھا۔ مزید چند برس تک اب کون باقی رہ جائے گا جو قیام پاکستان کے حالات و واقعات کا چشم دید گواہ ہو۔ ع "بہت آگے گئے' باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں!" پاکستان کی خاطر ہزارہا مسلمان عورتوں کی عصمتیں لٹی ہیں' جبکہ ہزارہا عورتیں ہندوؤں اور سکھوں کے ہاں ہی رہ گئی ہیں۔ قیام پاکستان کے چند سال بعد ان کی بازیابی کی مہم چلی تھی لیکن ان میں سے بہت سوں نے یہ کہہ کر یہاں آنے سے انکار کر دیا کہ تم لوگ اب ہمیں لینے آئے ہو جب یہاں ہمارے دو دو تین تین بچے ہو چکے ہیں' اب تمہارے معاشرے میں ہمیں کون قبول کرے گا؟ اس قیمت پر یہ پاکستان بنا تھا ع "ساکنانِ عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خون!"

اب بھی اگر ہم نے نظریہ پاکستان کی طرف کوئی مثبت پیش رفت نہ کی تو پاکستان یا تو ٹوٹ جائے گا یا اگر رہے گا بھی تو کسی کا طفیلی بن کر۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ ایک صاحب نے یہ بیان دیا تھا کہ ہم پاکستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی دوبارہ نہیں بننے دیں گے تو اس کے جواب میں کسی صاحب نے' جن کا نام میں بھول رہا ہوں' بڑا پیارا مضمون لکھا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی یہاں سے گئی ہی کب تھی جو آپ کہہ رہے ہیں کہ اسے دوبارہ نہیں آنے دیں گے۔ وہ تو جوں کی توں قائم ہے' صرف یہ فرق واقع ہوا ہے کہ اب وائسرائے کی جگہ ایمبیسیڈر نے لے لی ہے۔ اندازہ کیجئے' کراچی میں جو دو سفارت کار مارے گئے ہیں ان میں سے ایک کی رجسٹریشن بھی حکومت پاکستان کے پاس نہیں تھی۔ غالباً وہ انٹیلی جنس سے متعلق کوئی شخصیت تھی جو کسی cover میں تھی اور اس پر طرہ یہ کہ ان پر قانون بھی پاکستان کا نہیں امریکہ کا لاگو ہو گا۔ بہرحال اس صورت حال میں اگر یہ ملک باقی بھی رہا تو اس کا ٹھکانا یا تو امریکہ کی جھولی ہے یا پھر بھارت کی۔ ایک کی جھولی میں گرنے کا سلسلہ تو شروع ہو چکا ہے' لیکن کچھ کہا نہیں جا سکتا' کبھی بھی حالات بدل سکتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد تیسری بات یہ ہے' جو اہل تشیع کو خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے' کہ اگر پاکستان کی سالمیت کو کوئی گزند پہنچی تو پھر ایران کی بھی خیر نہیں' کیونکہ معاملہ صرف پاکستان کا نہیں ہے

بلکہ امریکہ کے ٹارگٹ پر ایران بھی ہے اور اب تو شاید ہم سے کچھ درجے زیادہ ہی ہے۔ کل آپ نے خبر پڑھ لی ہو گی کہ کس طرح یہ بات کہنی شروع کر دی گئی ہے کہ ایران پانچ سال کے اندر اندر ایٹم بم بنالے گا۔ یہ خبریں اسی طرح رفتہ رفتہ ریلیز کی جاتی ہیں تاکہ اس کے خلاف ذہنی فضا ہموار ہونی شروع ہو جائے۔ جیسے کبھی اسرائیلی طیارے سعودی عرب میں سے گزر کر عراق کے ایٹمی ری ایکٹر پر بمباری کر گئے تھے ایسا ہی کوئی اقدام کبھی وہاں بھی ہو سکتا ہے۔ انگریزی کی کہاوت ہے: "United you stand, divided you fall" چنانچہ اگر کوئی شیعہ سنی اتحاد اور مفاہمت ہو جائے تبھی ان تینوں جہتوں (dimensions) میں بات بہتری کی طرف جا سکتی ہے۔

شیعہ سنی مسئلے کا چوتھا پہلو

اب میں اس مسئلہ کے بُعدِ رابع (4thdimension) کی طرف آتا ہوں جس کے بارے میں میں نے کہا تھا کہ وہ غیر مرئی (invisible) ہے۔ اور یہ غیر مرئی پہلو صرف اسے نظر آئے گا جس کی آنکھ ع "سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف" کا مصداق ہو بلکہ میرے نزدیک جس کی آنکھ میں کتاب و سنت کا سرمہ لگا ہوا ہو' جبکہ باقی تین پہلو تو ایسے واضح ہیں جو اندھے کو بھی نظر آ جائیں اور یہ چوتھا پہلو یا بُعدِ رابع احادیث نبویؐ میں وارد پیشینگوئیاں اور خوشخبریاں یا تنبیہات ہیں۔ یہودیوں کے ہاں سے "نیو ورلڈ آرڈر" کے نام پر جو عظیم طوفان اٹھنے والا ہے اس کے پیش نظر "المسیح الدجال" کا ظہور اب شاید کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ اس کے بارے میں بھی میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ مذہبی یہودیوں اور سیکولر یہودیوں کے مابین میں نے جس اختلاف کا ذکر کیا ہے اس کے حوالے سے یہ بھی بتاتا چلوں کہ پچھلے دنوں میں امریکہ میں تھا تو وہاں مذہبی یہودیوں نے اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹرز کے سامنے ایک بہت بڑا مظاہرہ خود اسرائیل کی حکومت کے خلاف کیا تھا۔ اس مظاہرے میں بڑی کثیر تعداد میں بنیاد پرست مذہبی یہودی شریک ہوئے جو اپنی داڑھیوں اور سیاہ شیروانیوں کی طرح کے لمبے لمبے کوٹوں سے ایسے لگتے تھے جیسے بڑے متشرع مسلمان

ہوں' سوائے اس کے کہ ان کی زلفوں کا ایک خاص انداز ہے اور اگر وہ نہ ہو تو ہمیں تو وہ بڑے "مرد مومن" نظر آئیں۔ یہ مظاہرہ اس لئے ہوا کہ اس وقت کی حکمران پارٹی سیکولر اور صیہونی ذہن کے لوگوں پر مشتمل ہے' جو یہ چاہتے ہیں کہ خواہ مخواہ عظیم تر اسرائیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے' جب یہ پورا علاقہ ہمارے معاشی تسلط میں آجائے گا تو پھر تمہیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے؟ لیکن بنیاد پرست یہودی اس پر مصر ہیں کہ ہماری ارضِ موعود ہمیں ملنی چاہئے اور عظیم تر اسرائیل قائم ہونا چاہئے۔ اسرائیل کی پارلیمنٹ کی پیشانی پر بھی عظیم تر اسرائیل کا نقشہ موجود ہے اور یہودیوں کے لئے اس سے انحراف کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لہٰذا عظیم تر اسرائیل کے قیام کے لئے مسیح دجال کا خروج اب کوئی دن کی بات ہے' یہ چند سالوں میں بھی ہو سکتا ہے۔

اس وقت سیکولر یہودیوں نے مذہبی یہودیوں کو ایک رشوت یہ دی ہے کہ وہ انہیں باور کرا رہے ہیں کہ ہم یروشلم پر قبضہ برقرار رکھیں گے۔ اگرچہ ہم نے سنائی' جریکو وغیرہ کے علاقے واپس کر دیئے ہیں اور اگر ہمیں شام بھی تسلیم کر لے تو ہم بولان کی پہاڑیاں بھی دینے کو تیار ہیں' اگر اس پورے علاقے پر ہمارا معاشی تسلط قائم ہو جائے تو ہم تلچھٹ اور لسی انہیں پلائیں گے اور ملائی اور مکھن خود کھائیں گے' لیکن ہم یروشلم کسی قیمت پر واپس نہیں کریں گے' یہ ہمیشہ کے لئے ہمارا صدر مقام ہو گا اور اس میں ہم ہیکل سلیمانی تعمیر کریں گے۔ اور آئندہ کے "ہالوکاسٹ" کا نقطۂ آغاز یہی ہو گا کہ صیہونیوں کو مذہبی یہودیوں کی خدمت میں یہ رشوت پیش کرنا پڑے گی کہ مسجد اقصیٰ کو کسی بہانے سے گرا کر وہاں ہیکلِ سلیمانی تیسری مرتبہ تعمیر کریں۔ اور جب یہ ہو گا تو عالمِ عرب میں سے دردمند مسلمان بے چین اور بے تاب ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس کے بعد انہیں بھوننے والے یہی امریکہ کے ایجنٹ ہوں گے جو ان کے حکمران بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن جب یہ معاملہ اور آگے بڑھے گا تو کوئی یہودی کھڑا ہو کر یہ اعلان کر دے گا کہ میں ہوں وہ "المسیح" جس کے تم منتظر ہو۔ مسیح علیہ السلام کی آمد کی پیشگوئی بہت سے انبیاء نے دی تھی کہ اگر یہودی ان پر ایمان لے آئے تو وہ ان کے لئے نجات دہندہ ثابت ہوں گے۔ لیکن جب وہ مسیحؑ بالفعل آگئے تو یہودیوں نے انہیں نہیں مانا' بلکہ انہیں واجب القتل قرار دے کر اپنے بس

پڑتے انہیں سولی پر چڑھادیا۔ یہ الگ معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا۔ اب یہود کے نزدیک مسیحؑ کی جگہ ابھی خالی ہے' لہٰذا ان میں سے کوئی بدبخت "مسیح" ہونے کا دعویدار بن کر کھڑا ہو جائے گا اور اعلان کرے گا کہ وہ گریٹر اسرائیل قائم کر کے رہے گا۔ وہ دراصل "المسیح الدجال" ہو گا۔ "دجال" فریبی اور impostor کو کہتے ہیں۔ اصل مسیحؑ تو وہ تھے جو ان کی طرف مبعوث کیے گئے' لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے اور وہ آسمانوں پر اٹھالئے گئے' اور "المسیح الدجال" مسیح ہونے کا جھوٹا دعویدار ہو گا۔ اس کے بعد وہ سارے حالات و واقعات پیش آئیں گے جن کی پوری تفصیل احادیث میں آئی ہے۔ میں نے ان احادیث کے متن اور حوالہ جات اپنی کتاب "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل" میں دے دیئے ہیں۔ ہندوستان کے ایک عالم دین جناب اسرار عالم کا ایک مضمون تازہ میثاق (بابت فروری' مارچ ۱۹۹۵ء) میں شائع ہوا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ یہودیوں کا مالیاتی نظام کیا ہے۔ انہی کا ایک دوسرا مضمون ندائے خلافت میں بھی دو قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ اب یہ ساری چیزیں طشت ازبام ہو چکی ہیں' اگرچہ اب ان کے جاننے کا کوئی خاص فائدہ بھی نہیں' یہودیوں نے جو کرنا تھا وہ کر چکے۔ اب یہ ساری چیزیں عام بھی ہو جائیں تو ہم کیا کر لیں گے؟ البتہ اس کے بعد کی خبریں یہی ہیں کہ عالم عرب کے اندر بھی اللہ تعالیٰ حضرت مہدی جیسے عظیم رہنما کو پیدا کرے گا اور پھر ان کی مدد کے لئے اور المسیح الدجال کو قتل کرنے کے لئے اصل مسیح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اللہ تعالیٰ آسمانوں سے دوبارہ بھیجے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ہمارے ہاں متفق علیہ ہے اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ حضرت مسیحؑ کی آمد کے بعد ان کی مدد کے لئے زمینی طور پر بلادِ مشرق سے لشکر چلیں گے اور یہ وہی مشرق ہے جس میں مَیں اور آپ آباد ہیں' جس میں افغانستان بھی ہے اور ترکستان بھی۔ اس مضمون سے متعلق مندرجہ ذیل دو حدیثوں کو میں نے بہت عام کیا ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

يَخْرُجُ نَاسٌ مِنَ الْمَشْرِقِ يُوَطِّئُونَ لِلْمَهْدِي يَعْنِي سُلْطَانَه

یعنی مشرق سے کچھ لوگ نکلیں گے جو دشمنوں کو پامال کرتے ہوئے مہدی کی حکومت کو قائم کرنے کے لئے پہنچیں گے۔

یہاں میں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اہلِ تشیع اور اہلِ سنت کے ہاں مہدی کا جو تصور ہے اس میں فرق ہے۔ اہل سنت کے نزدیک مہدی ایک لیڈر ہوں گے جن کی عام انسانوں کی طرح ولادت ہو گی۔ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسل سے ہوں گے۔ ہمارے ہاں ان کی خبر بڑی مصدقہ احادیث میں دی گئی ہے۔ اور اس کے لئے بھی سعودی عرب میں سٹیج تیار ہو چکا ہے۔ شاہ فہد اب شاید سعودی خاندان کے آخری بادشاہ ہوں' اور ان کے بعد بڑی شدت سے انتشار کا اندیشہ ہے۔ اس لئے کہ اس وقت جو ولی عہد ہے وہ امریکہ کو پسند نہیں' لہٰذا وہ کسی اور کو لانا چاہے گا اور اس اعتبار سے وہاں کا معاملہ بہت طوفانی ہو جائے گا۔ بہرحال مہدی مسلمانوں کے لیڈر ہوں گے جو یہودیوں سے اور دجال سے مقابلہ کریں گے اور عرب کے اندر ایک مستحکم اسلامی ریاست اور حکومت قائم کریں گے۔ ان کے لئے ایک طرف آسمانی مدد حضرت مسیحؑ کی شکل میں آئے گی جو مسیح دجال کو قتل کریں گے اور دوسری طرف زمینی مدد کے طور پر مشرق سے فوجیں آئیں گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق میں پہلے سے کوئی نظام قائم ہو چکا ہو گا۔ یہی وہ بات ہے جو علامہ اقبال نے بایں الفاظ کہی ہے۔

میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے' میرا وطن وہی ہے

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

يَخرُجُ مِن خُراسان رأياتٌ سود' لايردها شيٌ حتى تنصَبَ بإيلياء

یعنی خراسان سے سیاہ علم برآمد ہوں گے اور وہ پیش قدمی کرتے ہوئے چلے جائیں گے' کوئی ان کا راستہ نہیں روک سکے گا' یہاں تک کہ وہ ایلیا میں جا کر نصب ہو جائیں گے۔

اس حدیث میں دو لفظ "ایلیاء" اور "خراسان" وضاحت طلب ہیں۔ "ایلیاء" رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یروشلم کا نام تھا۔ ۷۰ عیسوی میں ٹائٹس نے یروشلم کو تباہ کر دیا تھا۔ اس کے کئی سو سال کے بعد ہنگریان بادشاہ نے اسے دوبارہ آباد کیا اور اس کا نام بھی بدل کر ایلیا رکھ دیا۔ حضور ﷺ کے زمانہ تک اس کا نام ایلیا ہی تھا۔ حضورؐ کے زمانے میں "خراسان" افغانستان کے پورے علاقے اور ترکستان' ایران اور پاکستان کے بعض علاقوں پر مشتمل خطے کا نام تھا۔ میں امریکہ میں اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کے زمانے کا نقشہ دیکھ کر آیا ہوں جس میں اس پورے علاقے کو خراسان ظاہر کیا گیا ہے۔ ایرانی قونصلیٹ سے کچھ حضرات میرے پاس آئے تو میں نے ان سے بھی اس خراسان کا تذکرہ کیا۔ اس پر انہوں نے بھی کہا کہ "خراسانِ بزرگ" وہ قدیم خراسان ہے جو اس پورے علاقے پر مشتمل ہے۔ افغانستان اس کے قلب میں واقع ہے' جس کے اردگرد ایران' پاکستان اور ترکستان کے علاقے ہیں۔ یہ ہیں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی وہ خوشخبریاں جن کے ہوتے ہوئے مجھے تو سرے سے کوئی اشتباہ نہیں ہے کہ یہ سب کچھ وقوع پذیر ہو گا۔ البتہ اس کے لئے ہمیں مفاہمت کا قدم اٹھانا پڑے گا۔ اگر شیعہ سنی مفاہمت نہیں ہوتی تو اس کی طرف پیش رفت نہیں ہو پائے گی۔

حرفِ آخر

اب میں اپنے شیعہ بھائیوں سے آخری بات دست بستہ عرض کر رہا ہوں اور مجھے توقع ہے کہ یہ بات صدا بصحرا ثابت نہیں ہو گی' مجھے امید کی کرن نظر آ رہی ہے۔ خدا کے لئے اس معاملے پر اس پہلو سے سوچیں کہ اگر ہم اسے تسلیم کرتے ہیں تو کیا کچھ حاصل ہو سکتا ہے اور اگر اسے رد کرتے ہیں تو کیا کچھ ہاتھ سے جاتا ہے' اس کا موازنہ کریں۔ اس ضمن میں ایک اچھی بات یہ بھی سامنے آئی ہے کہ ایک زمانے میں اہل تشیع نے اپنی ایک جماعت کا نام "تحریکِ نفاذِ فقہ جعفریہ" رکھا ہوا تھا' جسے الحمدللہ اب انہوں نے "تحریکِ جعفریہ" کر دیا ہے۔ یعنی انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو گیا ہے کہ یہاں پر فقہ جعفریہ کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ اب میری ان سے گزارش یہ ہے کہ ایک قدم اور آگے بڑھائیں اور کھلے

دل کے ساتھ پاکستان میں وہی حیثیت قبول کرلیں جو ایران میں سنیوں کو دی گئی ہے۔ اس طرح یہاں پروہ اتحاد قائم ہو جائے گا جس سے خیر کے سارے راستے کھلتے چلے جائیں گے۔

اَقولُ قَولی ھٰذا وَاستغفرُ اللّٰہَ لی وَلکم ولِسائرِ المُسلمین وَالمُسلِمات OO

آدھے نوٹ کی قدر و قیمت؟

گزشتہ روز قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد میں نماز فجر کے بعد کا درسِ قرآن تحریکِ خلافت کی مرکزی خلافت کمیٹی کے رکن اور قابل احترام بزرگ مولانا حضرت گل صاحب نے دیا۔ دورانِ درس مولانا صاحب نے "عبادتِ رب" کے مفہوم کو ایک بڑی خوبصورت تمثیل سے واضح کیا۔ آپ نے کہا کہ حکومتِ پاکستان کا جاری کردہ ایک سو روپے کا نوٹ ہر جگہ قابلِ قبول ہے، لیکن اگر آپ اس نوٹ کے دو ٹکڑے کر کے ایک اپنے پاس رکھ لیں اور دوسرا ٹکڑا بازار لے جائیں تو اس کے بدلے کوئی آپ کو ایک روپے مالیت کی چیز دینے کو بھی تیار نہ ہو گا۔ اسی طرح عبادتِ رب زندگی کے ہر شعبے میں مطلوب ہے۔ اگر آپ نماز روزہ کے ضمن میں تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کریں اور آپ کی زندگی کے دوسرے انفرادی و اجتماعی گوشے عبادتِ رب سے خالی ہوں تو آپ کی اس "جزوی عبادت" کی اللہ تعالیٰ کے ہاں سرے سے کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔

"اسلامی قانون کی تنفیذ اور فقہی و گروہی اختلافات"

کے موضوع پر علماء کنونشن (منعقدہ اگست ۸۰ء) میں

ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب کے چند نکات و اشارات

(ماخوذ از میثاق' بابت جنوری۔ فروری ۸۱ء)

زیر نظر شمارے میں شامل امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خطابِ جمعہ "پاکستان میں شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت اور اس کے لئے کوئی ٹھوس اور مؤثر اساس" میں سابق صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم کے منعقد کردہ علماء کنونشن کا ذکر کئی بار آیا ہے۔ ایک ساتھی کے توجہ دلانے پر جب ہم نے "میثاق" کی پرانی فائلوں کو کریدا تو جنوری فروری ۸۱ء کے مشترک شمارے میں ڈاکٹر صاحب کے اس خطاب کا تفصیلی ذکر مل گیا جو انہوں نے اگست ۸۰ء میں علماء کنونشن میں ارشاد فرمایا تھا۔ محترم ڈاکٹر صاحب چونکہ کنونشن میں شرکت کے معاً بعد حسب پروگرام اسلام آباد ہی سے امریکہ کے دعوتی دورے کے لئے عازمِ سفر ہو گئے تھے جہاں سے وسطِ اکتوبر میں مراجعت ہوئی' لہٰذا پاکستان واپس تشریف لا کر ۳۱/ اکتوبر کو مسجد شہداء میں درس قرآن کے بعد امیر تنظیم نے بعض دیگر امور کے ساتھ علماء کنونشن میں اپنی شرکت کے اسباب اور اپنے خطاب کے اہم نکات پر وضاحت سے روشنی ڈالی تاکہ بعض حلقوں کی طرف سے اس بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی تھیں ان کا ازالہ ہو سکے۔ تقریر کے اس حصے کو ہمارے بزرگ اور قابل احترام رفیق شیخ جمیل الرحمٰن صاحب نے ٹیپ کی ریل سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے میثاق کے مذکورہ شمارے میں "تذکرہ و تبصرہ" کے زیر عنوان شائع کر دیا تھا۔ خطاب کے متعلقہ حصے کو ہم ہدیۂ قارئینِ میثاق کر رہے ہیں' جس کے ذریعے نہ صرف یہ کہ ان تمام باتوں کی توثیق ہو جاتی ہے جن کا ذکر محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے حالیہ خطاب میں علماء کنونشن کے حوالے سے کیا ہے بلکہ مزید نکات سے بھی آگاہی ہوتی ہے جو موضوع زیر بحث سے متعلق بھی ہیں اور نہایت اہمیت کے حامل بھی! (ادارہ)

حضرات! میں آپ کا کچھ وقت علماء کنونشن کے متعلق کچھ گفتگو کے لئے لوں گا۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ پورے پاکستان میں ریڈیو اور ٹی وی کی وساطت سے ۲۱/ اگست کی شب کو اور اخبارات کے ذریعے ۲۲/ اگست کی صبح یہ خبر عام ہو چکی ہے کہ میں نے علماء کنونشن میں شرکت کی ہے اور تقریر بھی کی ہے۔ میں ۲۱/ اگست کی شب ہی کو اسلام آباد سے کراچی چلا گیا تھا جہاں سے ۲۲/ اگست کی درمیانی شب کو امریکہ کے دوسرے دعوتی دورے پر روانہ ہو گیا تھا۔ ملک سے باہر چلے جانے کے باعث میں اس ردِّ عمل سے لاعلم رہا جو میری شرکت اور تقریر کے بارے میں ملک بالخصوص لاہور میں ہوا تھا۔ واپسی پر مجھے معلوم ہوا کہ میں نے اس کنونشن میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا' ان کے متعلق بعض حلقوں میں بہت خوشگوار تاثر تھا اور ان پر تحسین بھی ہوئی اور ان کی تائید بھی۔ لیکن ایک حلقے میں میری تقریر کے بعض حصوں کو بہت غلط رنگ دے کر اس پر بھونڈی تنقید کی گئی ہے اور بہت سی غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی شرکت کے متعلق بعض کوائف اور اپنی تقریر کے کچھ اہم نکات آج کی اس نشست میں پیش کروں تاکہ غلط فہمیوں کو پھیلنے کی راہ کچھ مسدود ہو سکے۔

..... کنونشن کے لئے تین موضوعات (Issues) مقرر کئے گئے تھے اور شرکاء میں سے ہر شخص کو آزادی تھی کہ وہ جس موضوع پر چاہے اظہار خیال کر سکتا ہے۔ میں نے اظہارِ خیال کے لئے پہلا موضوع "اسلامی قانون کی تنفیذ اور فقہی و گروہی اختلافات" منتخب کیا۔ مجھے چند مقتدر شخصیتوں کی طرف سے بھی اس موضوع پر بولنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اس کنونشن میں ملک کے ہر گوشے سے ہر فقہی مسلک سے تعلق رکھنے والے ڈھائی تین سو کے لگ بھگ علماء و فضلاء شریک تھے' جن میں وہ حضرات بھی تھے جن کا شمار اکابر میں ہوتا ہے۔ ایسے حضرات کے سامنے ایسے موضوع پر زبان کھولنا جو نہایت ہی نازک اور حساس (Touchy and Sensitive) ہو' بڑا کٹھن کام تھا۔ اس کی نزاکت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کچھ ہی عرصہ پہلے شیعہ فرقے کی طرف سے زکوٰۃ آرڈی نینس کے خلاف اسلام آباد میں ایجی ٹیشن ہوا تھا جس میں جوش و خروش ہی نہیں دھمکیاں بھی تھیں۔ پھر یہ کہ جب بھی اسلامی قانون کے نفاذ کا ہمارے ملک میں سوال اٹھتا ہے تو یہ فقہی

اور گروہی اختلافات اس راستے کے سب سے بھاری پتھر ثابت ہوتے ہیں۔ میں نے اس موضوع پر پہلے سے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ وہیں بیٹھے بیٹھے چند نکات و اشارات لکھ لئے تھے۔ اللہ کا فضل و کرم کہ اس کی توفیق سے میں اس مسئلہ پر جو کچھ عرض کرنا چاہتا تھا وہ اختصار کے ساتھ بیان ہو گیا۔ میں نے وہاں جو اظہار خیال کیا تھا اس کے بعض اہم نکات اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ان کے صحیح و غلط اور درست و نادرست ہونے کے متعلق آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔

پہلی بات میں نے وہاں یہ عرض کی کہ "ہماری یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ ہم من حیث القوم غیر اسلامی قوانین پر تو راضی رہتے ہیں لیکن جب اسلامی قوانین کے عملی نفاذ کا مرحلہ آتا ہے تو ہمارے فقہی و گروہی اختلافات بڑی شدت سے ابھر کر سامنے آتے ہیں اور شد و مد کے ساتھ سوالات اٹھا دیئے جاتے ہیں کہ کون سی فقہ رائج ہو"---! پھر میں نے عرض کیا کہ "یادش بخیر پاکستان بننے کے بعد ۴۸ء کے آغاز میں سب سے پہلے اس ملک میں اسلامی آئین و دستور کی تدوین اور اسلامی قانون کے نفاذ کا مطالبہ جماعت اسلامی نے اٹھایا تھا اور جلد ہی اس مطالبے کو ملک گیر سیاسی نوعیت کی تحریک کی شکل دے دی تھی۔ اس کے جواب میں اُس وقت جو لوگ اربابِ اقتدار تھے ان میں سے بعض حضرات کی طرف سے جو سب سے بڑا عذر پیش ہوا' وہ یہی تھا کہ کس کا اسلام! کس کی فقہ! کون سے قوانین نافذ کئے جائیں!! سنیوں کا اسلام یا شیعوں کا؟ پھر سنیوں میں سے بھی دیوبندیوں کا' بریلویوں کا' یا اہل حدیثوں کا؟ اس موضوع پر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب اور ڈاکٹر محمود الحسن مرحوم تقریریں کرنے میں پیش پیش تھے حالانکہ ان کی اسلام دوستی مسلّم تھی۔ ان حضرات کا کہنا یہ تھا کہ یہ مطالبہ قبل از وقت (Premature) ہے، یہاں اس سوال پر کہ کس کا اسلام اور کونسی فقہ ہو بڑے جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے۔ بعد میں بروہی صاحب نے کہا کہ اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ قرآن مجید میں کوئی دستور موجود ہے تو میں اس کو انعام دوں گا۔ یہ ردِ عمل تھا دو باتوں کا---- پہلی یہ کہ اسلامی دستور و آئین کی تدوین اور قوانین کے نفاذ کو ایک سیاسی نعرہ بنا دیا گیا تھا' دوسری یہ کہ مختلف فقہی و گروہی مسالک میں کوئی مفاہمت موجود نہیں تھی اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز تک پڑھنے کا کوئی روادار نہیں تھا"---- پھر

میں نے عرض کیا کہ "بتیس سال کے دوران ہم نے اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کردیا کہ ان حضرات کی دلیل غلط نہیں تھی اور ان کا عذر' محض عذر لنگ نہیں تھا بلکہ صحیح اور درست تھا کہ یہاں کس کا اسلام نافذ کیا جائے"۔ پھر میں نے عرض کیا کہ "پاکستان بننے کے تقریباً تیس سال بعد 'نظامِ مصطفیٰ ﷺ' کے نام سے جو تحریک چلی تو اُس وقت بھی فقہی اختلافات میں یہی شدت موجود تھی کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا روادار نہیں تھا۔ حتیٰ کہ جیلوں میں بھی ہر فقہی مسلک سے تعلق رکھنے والے اپنی علیحدہ علیحدہ جماعت کراتے تھے۔ یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ ان کا اظہار اخبارات اور رسائل میں ہو چکا ہے۔" میں نے مزید عرض کیا کہ "عقائد کا معاملہ بعد کی بات ہے یہاں تو فقہی اختلافات اتنے شدید ہیں کہ ایک دوسرے کو کوئی رعایت دینے کے لئے تیار نہیں۔ عقائد کا تعلق قانون سے نہیں ہے' ان کا نفاذ نہیں ہوتا' ان کا دائرہ قلب و ذہن اور فکر و نظر ہے۔ لیکن فقہ کا تعلق قانون سے ہے اور قانون نافذ ہوتا ہے جس کے مطابق مشاجرات' مناقشات' تنازعات اور معاملات فیصل اور طے ہوتے ہیں۔ اور کسی ملک میں بھی دو قانون نہیں چل سکتے' قانون تو صرف ایک ہی نافذ ہو سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا حل تلاش کیا جائے جو اس مخمصے سے نجات دلا دے اور یہ حل موجود ہے جو میں آگے بیان کروں گا۔"

دوسری بات میں نے یہ عرض کی کہ "قومی اعتبار سے یہ ایک المیہ ہے کہ پاکستان کے قیام کے وقت جو جوش و خروش تھا اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جو سازگار فضا موجود تھی' لوگوں کے دلوں میں گداز اور نرمی تھی' جو لوگ منقسم ہندوستان میں آگ اور خون کے دریا سے گزر کر لٹے پٹے اور تباہ و برباد حالت میں پاکستان پہنچے تھے ان کو پاکستان تک پہنچنے کے لئے جان و مال اور اپنی خواتین کی عصمت و عفت کی جو قربانیاں دینی پڑی تھیں' سکھوں اور ہندوؤں کے جن انسانیت سوز مظالم اور بربریت سے سابقہ پیش آیا تھا' ان تمام باتوں نے مل جل کر ان کے دلوں میں اسلامی نظام و قوانین پر کاربند ہونے کا ایک شدید داعیہ بیدار کر دیا تھا۔ پھر پاکستان کے بسنے والوں نے جب ان تباہ حال بھائیوں کی پذیرائی کی' ان کی حالتِ زار کا سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور ان کے مصائب کی داستانیں سنیں تو ان کی

آنکھیں ہی نہیں دل بھی خون کے آنسو رو رہے تھے' ان کے دل شق تھے اور ان میں بھی یہ داعیہ ابھر چکا تھا کہ اب وہ اسلام کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں گے۔ اُس وقت ایک جوش تھا' پوری فضا اس نعرے سے گونجی ہوئی تھی کہ "پاکستان کا مطلب کیا' لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" لوگ اُس وقت اسلام کو بطورِ نظام زندگی قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔ لیکن ہوا کیا؟ واحسرتا کہ قومی قیادت نے یہ سنہری موقع ضائع کر دیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ حکومت خود اپنے طور پر اسلامی دستور کی تدوین اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے پیش قدمی کرتی اور پاکستان کے قابل اعتماد اور جیّد علماء کا فوری طور پر ایک بورڈ تشکیل کرتی اور ان کو دعوت دیتی کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور فقہی اختلافات کا کوئی ایسا حل تلاش کریں جو تمام مسالک کے پیروؤں کے لئے قابل قبول ہو۔ لیکن جو کچھ ہوا وہ ہمارے سامنے ہے۔ میں کسی فردِ واحد کو الزام نہیں دیتا کیونکہ قیادت ایک ٹیم کا نام ہوتا ہے' میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اور آگے کروں گا اس سے محض امرِ واقعہ کا اظہار مقصود ہے۔ ہوا یہ کہ ایک طرف تو غلطی یہ ہوئی کہ گفت و شنید' افہام و تفہیم اور نصیحت و موعظت سے اربابِ اختیار کو اسلامی دستور کی تدوین اور اسلامی قوانین کی تنفیذ کی دعوت دینے اور اپنا تعاون پیش کرنے کے بجائے اس کو ایک سیاسی نعرے کی صورت میں بطور تحریک اٹھا دیا گیا اور اُس وقت کی قیادت پر تند و تیز تنقیدوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ نیز ساتھ ہی ساتھ تبدیلیٔ قیادت کا مطالبہ کر دیا گیا۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ مسلم لیگ کی صفوں میں اتحاد قائم نہ رہا' ان میں اختلافات اور تفرقے ہوئے' ایک مسلم لیگ سے کئی مسلم لیگیں وجود میں آگئیں اور ایک دوسرے سے دست بہ گریباں ہو گئیں۔ نتیجتاً صرف قردادِ مقاصد منظور کرنے کے علاوہ ملک میں اسلامی قوانین کی تدوین کے میدان میں کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہوئی۔ ہمارے سیاسی لیڈروں کی باہمی کشمکش اور آئے دن اسمبلی کے ممبران کے پارٹیاں بدلنے کی وجہ سے وزارتِ عظمیٰ میں جلد جلد تبدیلیاں ہونے لگیں جو ایک طرف مرکزی حکومت کو غیر مستحکم کرنے کا باعث ہوئیں تو دوسری طرف عوام میں سیاسی لیڈروں پر سے اعتماد متزلزل کرنے کا بھی سبب بنیں۔ اس کے نتیجے میں پہلا مارشل لاء آیا' سیاسی عمل رک گیا' سارا جوش و خروش ختم ہو گیا' ولولے سرد پڑ گئے۔

تیسری بات میں نے یہ عرض کی تھی کہ "۷۷ء کی تحریک اصلاً تو ایک جابر حکمران کے خلاف شروع ہوئی تھی جس نے جمہوریت کا لبادہ اوڑھ کر بدترین قسم کی آمریت قائم کر رکھی تھی اور عام انتخابات میں لامحدود دھاندلیاں کی تھیں۔ اسی لئے اس تحریک میں سیکولر ذہن کے لوگ بھی شامل تھے اور لیفٹسٹ بھی --- اس تحریک میں ہمہ گیری اس وقت آئی' جب اس میں مذہبی نعرہ 'نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ' شامل کیا گیا۔ اس نعرے کی وجہ سے تحریک ملک بھر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگوں کا جوش و خروش قیامِ پاکستان کی تحریک سے بھی زیادہ نظر آیا۔ پھر کوئی تشدد اس جذبے پر قابو نہ پا سکا۔ جن لوگوں نے سینوں پر گولیاں کھائیں' انہوں نے جمہوریت کے نام پر جانیں قربان نہیں کیں' ایسے لوگ آگے نظر نہیں آئے بلکہ گولیاں کھانے والوں نے کلمہ کے نام پر لا الٰہ اِلّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ کے نام پر گولیاں کھائیں اور ہر نوع کا تشدد انگیز کیا"۔

میں نے اس موقع پر صدر پاکستان کو مخاطب ہو کر کہا کہ "صدر صاحب مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ نے بہت سنہری موقع ہاتھ سے کھو دیا۔ جب آپ نے زمامِ اقتدار سنبھالی تھی تو قوم میں جوش و خروش اپنے عروج پر تھا' پوری آمادگی موجود تھی۔ اگر آپ اُس وقت جراٴتِ مومنانہ سے کام لے کر اسلامی نظام اور قوانین کی تنفیذ کے لئے ٹھوس اور مثبت اقدام کرتے تو قوم ذہناً اس کو قبول کرنے کے لئے تیار تھی۔ لیکن آپ نے بھی وہی غلطی کی جو ہماری پہلی قیادت نے کی تھی۔" میں نے صدر صاحب کو مزید مخاطب کرتے ہوئے کہا: "محترم صدر صاحب! میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں آپ کی' ملک کی اور دین کی خیر خواہی میں عرض کر رہا ہوں کہ آپ اِس وقت Grace Period پر ہیں۔ اب بھی آپ نے جرات مومنانہ سے قدم نہیں اٹھایا اور کوئی فیصلہ کن اقدام نہیں کیا تو جان لیجئے کہ یہ مہلت جلد ختم ہو سکتی ہے۔ معاملہ آپ کی ذات کا نہیں ہے۔ معاملہ ملک کی سلامتی' بقا اور استحکام کا ہے۔ اشخاص آتے ہیں' چلے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے پھنے خاں آئے اور چلے گئے۔ بڑے بڑے لیڈر آئے' بڑے بڑے بارعب لوگ آئے اور ان کے دبدبے کا یہ عالم تھا کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ان کو ہلایا جا سکتا ہے ---- ایوب خاں مرحوم کا تصور کیجئے' ۶۳ء اور ۶۴ء کا ایوب خان۔ ۶۸ء میں پہلی دفعہ جنبش ہوئی' عید الفطر کے چاند کے

موقع پر جھگڑا ہوا۔ پھر اسی سال کے اواخر میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی کتاب کے خلاف جو مہم چلی اس کے بعد تو جنبشوں کا وہ سلسلہ چلا کہ سارا رعب اور سارا دبدبہ ختم' اور قصر اقتدار زمین بوس ہو گیا۔ پس معاملہ اشخاص کا نہیں' قوم اور ملک کا ہوتا ہے"۔

پھر میں نے عرض کیا کہ "پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ اسلام کے سوا اس کے قیام کی کوئی اور اساس اور جواز ہے۔ اس لئے اس ملک کے قیام' بقا اور استحکام کی اصل بنیاد اسلام اور صرف اسلام ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ ایک مصنوعی ملک معلوم ہوتا ہے۔ بھارت کے ساتھ ہماری کوئی مستقل جغرافیائی سرحدیں نہیں ہیں۔ وہ حدیں موجود نہیں جو فطری (Natural Boundries) کہلاتی ہیں' اگر کوئی فطری سرحد ہے تو وہ افغانستان کے ساتھ ہے۔ بھارت کے ساتھ ہماری سرحدوں کا یہ حال ہے کہ اگر تار کھینچے نہ ہوں تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ پاکستان کہاں ختم ہوا اور کہاں سے بھارت شروع ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ پاکستان کا قیام جغرافیائی حدود کا رہینِ منت نہیں بلکہ اس کے قیام کی واحد اساس صرف اسلام ہے' لہٰذا اس کی بقا اور استحکام کا دارومدار بھی اسلام کے حقیقی و عملی نفاذ پر ہے۔ اگر اس کی طرف کوئی فیصلہ کن پیش قدمی اب بھی نہیں ہوئی تو جان لیجئے کہ اس ملک کی سلامتی مشکوک ہے۔ آدھے سے زیادہ پاکستان تو علیحدہ ہو چکا اور حال یہ ہے کہ اس کا نام بھی بدل گیا۔ مشرقی پاکستان کے نام سے بھی علیحدگی ہو سکتی تھی اور اس نام سے بھی ایک آزاد و خود مختار سلطنت وجود میں آ سکتی تھی۔ آخر دنیا میں مشرقی و مغربی اور شمالی و جنوبی اضافت کے ساتھ ایک ہی نام کے کئی ملک موجود ہیں۔ اس ملک کو جو خطرات درپیش ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہمارے اس پاکستان کو جو خطرات لاحق ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگا لیجئے کہ ملک کی سب سے مقتدر شخصیت نے کہا ہے کہ ہمارے ہاں کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو کسی طرف سے ٹینکوں کی آمد کے منتظر ہیں۔ اندرونی فضا یہ ہے اور باہر سے جو خطرات ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں' وہ ہمارے سامنے ہیں۔ بھارت کے حالات جس طریقے سے پلٹا کھا رہے ہیں اور وہاں جو منظم طریقے پر مسلم کُش فسادات کا سلسلہ چل نکلا ہے وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے بلا سبب نہیں ہو رہا' اس کے پیچھے کوئی منصوبہ کار فرما ہے۔ اس سال فروری میں مجھے بھارت جانے کا

اتفاق ہوا تھا' اس وقت کے اور آج کے حالات میں زمین آسمان کا فرق واقع ہو چکا ہے"۔

پھر میں نے عرض کیا کہ "خطرات اپنی جگہ موجود ہیں' ان حالات میں ہمارے اوپر پہلے سے بھی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم خدا اور خلق کے سامنے کئے ہوئے اس عہد کو پورا کرنے کے لئے فیصلہ کن طریقے سے پیش قدمی کریں کہ پاکستان کا مطلب کیا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ"۔

اسلامی نظام کا نفاذ کیسے ہو

میں نے یہ بھی عرض کیا کہ "اگر واقعتاً محمد ضیاء الحق صاحب اور ان کے رفقاء کار اس ملک میں اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں--- رفقاء کا ذکر میں نے اس لئے کیا کہ وہ اکیلے نہیں' ان کے ساتھی بھی ہیں' ایک ٹیم ورک ہو رہا ہے---- تو اس کا طریقہ کیا ہونا چاہئے!۔ یہ صحیح ہے کہ ان کو شدید فقہی اختلافات اور تفرقے سے سابقہ پیش آیا ہے جس کی وجہ سے جو چند چھوٹے چھوٹے اقدامات کئے گئے تھے' وہ بھی بنیادی طور پر بے اثر (Null and Void) ہو گئے ہیں۔ پھر یہ کہ ایسے اختلافات آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ ان سے مستقل طور پر عہدہ برآ ہونے کا طریقہ کیا ہے؟۔ تو اس کے متعلق میں حسب ذیل معروضات اربابِ اقتدار اور آپ تمام علماء و فضلاء کے غور و فکر کے لئے پیش کرتا ہوں"۔

میں نے عرض کیا کہ "ملکی قانون (Public Law and Law of the Land) اور شخصی قانون (Personal Law) میں واضح طور پر تقسیم ہونی چاہئے۔ یہ تقسیم دنیا کے ہر ملک میں ہوتی ہے۔ ملکی قانون (Law of the Land) ایک ہی ہوتا ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے۔ البتہ مختلف گروہوں کے لئے ان کے نظریات کے مطابق مختلف شخصی قانون (Personal Law) میں گنجائش رکھی جانی چاہئے۔ پرسنل لاء میں دو امور خصوصی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک "عبادات" دوسرے "مناکحات"۔ نماز کوئی ہاتھ باندھ کر پڑھے' کوئی ہاتھ چھوڑ کر' کوئی رفع یدین کرے' کوئی نہ کرے' کسی کے نزدیک غروب آفتاب کے فوراً بعد روزہ

افطار کرنا ضروری ہے اور کسی کے نزدیک غروب کے چند منٹ بعد ----- ایسے تمام تعبّدی امور پر کسی کی طرف سے کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔ کوئی ملکی قانون نہیں بن سکتا کہ تعبدی امور اس طور پر انجام دیئے ہوں گے۔ چنانچہ عبادات میں پوری آزادی ہونی چاہئے۔ اس معاملہ میں انسان بڑا حساس ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ ایسا قانون بنادیا جائے کہ تمام مسلمان غروبِ آفتاب کے فوراً بعد روزہ لازماً افطار کریں تو جس شیعہ کے نزدیک افطار کا صحیح وقت غروب کے چھ سات منٹ بعد ہے تو اس قانون کی رو سے اس کا روزہ غلط وقت پر کھلوا دیا گیا تو اس کی سترہ اٹھارہ گھنٹے کی محنت بلکہ عبادت ضائع اور برباد ہو گئی۔ کہنے کو تو چند منٹ کا فرق ہے' لیکن اس سے بڑا عظیم فرق واقع ہوتا ہے۔ اسی بات کو سنیوں پر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے جن کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد افطار میں تاخیر سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے تمام امور میں پرسنل لاء کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے۔ اسی طریق سے "مناکحات" یعنی نکاح و طلاق کے معاملات میں ان سب کو تسلیم (Acknowlege) کرنا چاہئے اور ان سب کو کھلی چھوٹ دی جانی چاہئے کہ وہ اپنے اپنے مسالک کے مطابق عمل پیرا ہوں۔ ان پر کوئی پابندی نہ ہو۔ چونکہ یہ معاملات پرسنل لاء سے متعلق ہیں لہٰذا ان پر ملکی قانون میں کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔ ملکی قانون قرآن و سنت کے وسیع تر اصولوں پر مبنی ہو' جس میں اقامتِ صلوٰۃ' ایتائے زکوٰۃ' التزامِ صوم اور احترامِ رمضان ہر مسلمان پر فرض اور لازم ہو --- اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ اور یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ اور فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ ----- ہر تارکِ صلوٰۃ' ہر مانعِ زکوٰۃ' ہر تارکِ صوم ملکی قانون میں قابل تعزیر ہو۔ اسی طرح سود' شراب' قماربازی اور دوسرے فواحش ملکی قانون کے مطابق حرام ہوں گے۔ کسی کے لئے اس میں کوئی رعایت نہ ہوگی۔ میں نے بطور مثال چند باتیں عرض کی ہیں۔ اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ملکی قانون (Law of the Land) کن وسیع تر اصولوں پر مبنی ہونا چاہئے"۔

میں نے یہ بھی تجویز کیا کہ "پرسنل لاء کی نگرانی کے لئے ہر مسلک کے علماء کے علیحدہ علیحدہ بورڈ بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہر مسلک کی مساجد اور اوقاف ان بورڈز کے زیر

نگرانی دیئے جانے چاہئیں۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ سنی' دیوبندی یا بریلوی یا اہل حدیث اور کوئی شیعہ کوئی جائیداد وقف کرتا ہے یا ٹرسٹ قائم کرتا ہے تو اس کی آمدنی اس کے مسلک کے مطابق ہی صرف ہونی چاہئے تاکہ واقف کی منشا پوری ہو۔ یہ تو ناانصافی ہوگی کی ایک خاص مسلک رکھنے والے واقف کی وقف شدہ آمدنی دوسرے مسلک کے سلسلے میں خرچ ہو"۔ جیسے فرض کیجئے کہ کوئی شخص مسجد بناتا ہے۔ ہمارے ہاں پہلے یہی ہوتا تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ اپنی جیب خاص سے مسجد بناتا تھا' وہی متولی ہوتا تھا۔ یہ چندے جمع کر کے مسجد بنانا تو دورِ حاضر کی بدعت ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تو مسجد کے لئے چندہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ بہت کثیر تعداد ہمارے ان ائمہ فقہاء کی ہے جنہوں نے صدقات' زکوٰۃ اور قربانی کی کھالوں کی رقوم سے بھی تعمیر مساجد کو ناجائز قرار دیا ہے۔ بہرحال مسجد جس مسلک کے شخص یا اشخاص نے بنائی ہے اور اس کے لئے کوئی جائیداد بھی وقف کی ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس مسجد کا انتظام وانصرام مسجد بنانے والوں کے مسلک کے مطابق چلایا جانا چاہئے۔ یہ ظلم اور زیادتی ہے کہ مسجد بنائیں کسی مسلک والے اور اس پر قابض ہو جائیں دوسرے مسلک والے .... اسی سے تفرقے پیدا ہوتے ہیں' اختلافات شدت سے ابھرتے ہیں اور فسادات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ غلط طریقہ بند ہونا چاہئے۔ میری بھی یہ دلی آرزو ہے کہ فقہی اختلافات ختم ہوں۔ آئیڈیل صورت یہی ہونی چاہئے۔ لیکن امرِ واقعہ سے آنکھیں بند کرنا عقل مندی نہیں۔ میں ہزار چاہوں' لاکھ سر پٹخ لوں اور مجھے دس زندگیاں مل جائیں تو بھی یہ ختم ہونے والے نہیں۔ ان کی بڑی طویل تاریخ ہے۔ ہمارے بڑے بڑے ائمہ گزر گئے' ان سے ختم نہیں ہوئے تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں۔ لہٰذا ان کا ختم کرنا ممکن نہیں' ان کو تسلیم کرنا ہوگا۔ البتہ تعلیم و تفہیم اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ کو حدِ اعتدال میں رکھنے کی سعیٔ بلیغ ہوتی رہنی ضروری ہے۔ ہمارے علماء و مشائخ کو بھی چاہئے کہ قسط اور عدل کو پیش نظر رکھیں اور رواداری اختیار کریں۔ ہمارے ہاں جو متشددانہ رویہ ہے کہ کوئی دوسرے مسلک کا سنی بھی مسجد میں آجائے تو ماتھے پر بل آجاتے ہیں اس کو تبدیل ہونا چاہئے۔ ہر مسجد میں ہر مسلک کے نمازی کو نماز ادا کرنے کی آزادی ہونی چاہئے' البتہ انتظام و نظم (امامت و خطابت) جس مسلک کی مسجد ہو اسی مسلک والوں کے ہاتھ میں

ہونا چاہئے۔

میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ "اب جب بھی اس ملک میں باقاعدہ مردم شماری (Census) ہو تو لوگوں سے ان کا فرقہ اور مسلک ساتھ ہی لکھوا لیا جائے تو کوئی حرج نہیں بلکہ یہ مفید ہو گا۔ دین کے بطور مسلمان یا اسلام لکھوائیں اور مسلک کے طور پر شیعہ 'سنی لکھوا لیا جائے۔ پھر سنیوں کے مختلف مکاتب فکر کے لئے بھی اندراج کا ایک خانہ رکھا جا سکتا ہے تاکہ معین ہو جائے کہ ہمارے ہاں جو دو بڑے فرقے شیعہ اور سنی ہیں ان کا تناسبِ آبادی دراصل ہے کیا؟ کون کتنے فیصد ہے تاکہ اس ضمن میں حکومت کو یہ مدد ملے کہ وہ حکومت کے محکموں میں ملازمت 'علماء کے بورڈ کی تشکیل 'مالی گرانٹ اور دوسری مراعات میں آبادی کے تناسب کو پیش نظر رکھ سکے۔ کسی کے لئے وجہ شکایت (Heart Burning) نہ ہو۔ ہر فرقے اور ہر مکتب فکر اور مسلک کے مدارس 'ان کی مساجد 'ان کے معاملات 'ان کا انتظام و انصرام ان کے علماء کے بورڈ بنا کر ان کے حوالے کر دیجئے۔ یہ بورڈ حکومت کی زیر سرپرستی اور زیر نگرانی تفویض کردہ ذمہ داریاں ادا کریں۔ اس طرح بہت سے اختلافات اور شکر رنجیاں ختم ہو جائیں گی اور روز بروز کے یہ قضیئے 'تنازعات اور اختلافات حکومت کے لئے دردِ سر نہیں بنیں گے ---- نیز غیر مسلم اقلیتوں کا تناسب بھی صحیح طور پر سامنے آ جائے گا۔ قادیانی (لاہوری گروہ سمیت) اسی زمرے میں شمار ہوں گے"۔

میں نے ملکی قانون کے متعلق یہ عرض کیا کہ "پبلک قانون یا ملکی قانون (Public Law or Law of the Land) کے بارے میں یہ اصول اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی اساس کسی فقہ پر نہیں ہو گی بلکہ اس کی اساساتِ اصلیہ صرف اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں۔ اہل سنت کی تمام فقہیں ہماری اپنی ہیں۔ سب قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں۔ فرق راجح اور مرجوح یا افضل و مفضول کا ہے یا تعبیر و رائے اور قیاس کا ---- کوئی مخصوص فقہ یہاں نافذ نہیں کی جا سکتی چاہے وہ فقہ حنفی ہو 'فقہ مالکی ہو 'فقہ شافعی ہو 'فقہ حنبلی ہو 'چاہے وہ مسلک اہل حدیث ہو ---- اصل اور بنیاد ہمارے لئے ---- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہی آخری

حجت ہے۔ تمام معاملات کے لئے ان اساساتِ اصلیہ کی طرف رجوع کیا جائے گا اور جو بات بھی اس کے مطابق ہوگی یا اس سے استنباط میں اقرب ہوگی اور جسے قانون ساز ادارہ یا عدالتِ عالیہ میں دلائل سے منوا لیا جائے گا اسی کو ملکی قانون کا مقام حاصل ہوگا۔ خلقِ قرآن کے مسئلے میں امام احمد بن حنبلؒ نے جو بات کہی تھی تو یہی کہ "اِیتُونِی بِشَیءٍ مِن کتابِ اللّٰہِ وسُنّۃ رَسولہٖ حتیٰ اقول" (لاؤ میرے پاس کوئی چیز اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنت سے تب میں کوئی بات کہہ سکوں گا)---ہمارے ہر دستور میں بھی ہمیشہ سے یہ بات لکھی جاتی رہی ہے اور ۷۳ء کے دستور میں بھی موجود ہے کہ

"No legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah"

(ایسی کوئی قانون سازی نہیں کی جائے گی جو قرآن و سنت کے خلاف ہو)۔ فی الحال یہ دفعہ رہنما اصول کے طور پر درج ہے' اس کو فی الفور Operative Clause میں شامل ہونا چاہئے۔ اس دفعہ میں کسی فقہ اور کسی مسلک کا تعین نہیں ہے۔ اس میں تو یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ دین نام ہے قرآن و سنت کی پابندی کا ---- لہٰذا ملک کا قانون (Law of the Land) ان ہی دو بنیادوں پر تشکیل پائے گا اور نافذ ہوگا---ہمارے کلمۂ شہادت کے دو اجزاء ہیں' پہلا توحید کا اقرار: لاالٰہ الااللّٰہ اور دوسرا رسالت کا اقرار: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ---اس میں کسی فقہ کا اقرار شامل نہیں۔ ملکی قانون کے دو شعبے ہیں۔ ایک فوجداری یعنی تعزیرات اور حدود کا قانون --- دوسرا دیوانی۔ یعنی تجارت' لین دین اور اسی نوع کے دیگر معاملات کا قانون ---- یہ شعبے Law of the Land سے متعلق ہیں اور یہ ہر پاکستانی کے لئے یکساں مؤثر ہوں گے' سب پر ان کا اطلاق ہوگا' چاہے وہ کسی فرقے یا کسی فقہی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو بلکہ یہ پاکستان میں بسنے والی غیر مسلم اقلیتوں کے لئے بھی اور ان غیر ملکیوں پر بھی نافذ ہوں گے جو پاکستان میں ان قوانین کے تحت کسی جرم کے مرتکب ہوں گے"--- خود غور فرمایئے کہ کوئی چور یہ کہے کہ ٹھیک ہے مجھ پر چوری کا جرم ثابت ہو گیا لیکن میں چونکہ فلاں فرقے یا فلاں فقہی مسلک سے تعلق رکھتا ہوں اور اس میں چور کے لئے قطع ید نہیں بلکہ انگلی کاٹنے کی سزا ہے لہٰذا ہاتھ کے بجائے میری انگلی کاٹی جائے' یہ ممکن نہیں۔ تعزیر کسی فرقے یا فقہی

مسلک کے مطابق عائد نہیں ہو گی بلکہ ملک میں کتاب و سنت پر مبنی اور اس سے ماخوذ جو بھی قانون رائج ہو گا وہ سب پر لاگو ہو گا۔ یہی صورت حال سول لاء میں اختیار کی جائے گی اور تمام معاملات ملکی قانون کے مطابق فیصل ہوں گے۔ کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہو گا کہ یہ معاملہ ہماری فقہ کے مطابق طے ہو۔"

اس ضمن میں' میں نے مزید عرض کیا کہ "میری سوچی سمجھی رائے ہے کہ ہمارے فقہی اور فرقہ وارانہ اختلافات اس طریق کو اختیار کرنے سے احسن طور پر حل ہو سکتے ہیں کہ پرسنل لاء میں ہر فرقے اور ہر فقہی مکتبِ فکر کو مکمل آزادی اور کھلی چھوٹ ملنی چاہئے کہ وہ "عبادات" اور "مناکحات" اپنے اپنے مسالک کے مطابق انجام دے سکتے ہیں۔ ہر مسلک کے لئے حکومت علماء کے بورڈ بنائے اور ہر مسلک کے مدارس' مساجد' معابد اور اوقاف کا انتظام و انصرام ان کے سپرد کر دے اور ان پر اپنی نگرانی رکھے۔ یہی مراعات غیر مسلم اقلیتوں کو بھی ملنی چاہئیں---- ملکی قانون (Law of the Land) قرآن و سنت پر مبنی ہو۔ اس کا بلا امتیاز ہر پاکستانی پر اطلاق ہو۔ عدالتوں کو اختیار دیا جائے کہ فی الوقت جاری قوانین میں سے ان قوانین کو منسوخ کر دے' جن کے متعلق بھی یہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ کتاب و سنت کے خلاف ہیں۔ اسی طرح جو نیا قانون بنے وہ چاہے کسی مجاز قانون ساز ادارے نے بنایا ہو یا کسی مجاز حاکم (Authority) نے بطور فرمان (Ordinance) نافذ کیا ہو' عدالتوں میں اس قانون کو بھی اس بنیاد پر چیلنج کرنے کا حق ہونا چاہئے کہ یہ قانون کتاب و سنت کے منافی ہے یا اس میں خامی ہے اور علماء و فضلاء کو حق حاصل ہو کہ وہ اس کو ثابت کریں۔ وہ استشہاد اور نظائر کے طور پر مستند ائمہ و فقہاء کی آراء' قیاسات تعبیرات اور استنباط پیش کرنے کے مجاز ہوں' پھر عدالتوں کو اس بات میں فیصلوں کا اختیار ہو۔ اس طرح عدالتوں میں ہر فقہ کے لئے یہ موقع فراہم ہو جائے گا کہ جس فقہ کا کوئی فتویٰ اقرب الی القرآن والسنہ ہوا' وہی ملکی قانون کی حیثیت سے نافذ ہو سکے گا---- ایسے معاملات کے فیصلوں کی مجاز کونسی عدالتیں ہوں؟ ان کے لئے شرعی بینچ قائم ہوں یا یہ کام ہائی کورٹس کے سپرد کیا جائے؟ یہ انتظامی معاملہ ہے۔ اس کو مشاورت اور افہام و تفہیم سے طے کیا جا سکتا ہے۔ البتہ سپریم کورٹ کو سب سے بلند عدالت (عدالت عالیہ) قرار دے کر آخری' قطعی

اور حتمی فیصلہ کرنے کا حق اس کو تفویض ہونا چاہئے"۔

میں نے وہاں یہ بھی عرض کیا کہ عموماً یہ ہوتا چلا آرہا ہے کہ جو لوگ برسر اقتدار آئے انہوں نے اس ذمہ داری کو محسوس ہی نہیں کیا جو ان کے دین کی طرف سے ان پر عائد ہوتی تھی۔ ایسے لوگوں کو سب سے زیادہ فکر لاحق رہی کہ کرسی کا تحفظ کس طرح کیا جائے اور اپنے اقتدار کو کس طور پر قائم' باقی اور جاری رکھا جائے۔ وہ کچھ اِدھر اور کچھ اُدھر کے علماء کی تائید اور تعاون (Support) حاصل کرتے رہے' پھر سب لوگوں کو خوش کرنے اور راضی رکھنے کی پالیسی اختیار کرتے رہے..... اب اگر اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص کو اقتدار سنبھالنے کا موقع دیتا ہے جو دل سے اسلام کا دلدادہ و شیدا ہے اور اسلام کو حقیقی طور پر ایک نظام زندگی کی حیثیت سے نافذ کرنے کا خواہش مند ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف رضائے الٰہی کو سامنے رکھ کر یہ عزم کرے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو موقع عنایت کیا ہے میں اسے اپنا دینی فرض ادا کرنے کے لئے استعمال کروں گا۔ مجھے یہ کام کرنا ہے' کسی کو کیا پسند ہے کیا نہیں؟ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ مجھے فکر ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں محاسبہ اور جواب دہی کی فکر ہے۔ مجھے تو ہر حال میں اس سلطنت خداداد میں اسلام نافذ کرنا ہے' قرآن و سنت والا اسلام۔ میں رہوں یا نہ رہوں۔ میں رہوں گا تو اسلام کے ساتھ رہوں گا ورنہ نہیں رہوں گا۔ اسلام کے نفاذ کی کوشش میں مجھے اگر اقتدار سے علیحدہ ہونا پڑا تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔ جس شخص میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے' وہ واقعتاً کچھ کر سکتا ہے۔ اگر نہ کر سکے اور اقتدار سے ہٹا دیا جائے تو بھی ان شاء اللہ وہ اپنے رب کے سامنے سرخرو ہو گا۔

میں نے عرض کیا کہ محمد ضیاء الحق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے یہ موقع عطا کیا ہوا ہے۔ میں تو یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ بھٹو کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا موقع دیا تھا اور وہ تاریخ کے اندر ایک عظیم شخصیت بن کر ابھر سکتا تھا' وہ ماؤزے تنگ سے بھی بڑی شخصیت کی حیثیت سے تاریخ میں زندۂ جاوید مقام حاصل کر سکتا تھا لیکن وہ اس کا اہل ثابت نہ ہو سکا۔ (He Could not prove equal to the task) اب اللہ تعالیٰ نے جنرل صاحب آپ کو موقع دیا ہے' گو بہت سا وقت لیت و لعل میں گزر چکا ہے' لیکن میں سمجھتا

ہوں کہ اب بھی موقع ہے 'اب بھی بہت کچھ کیا جا سکتا ہے' جرأت مندانہ قدم اٹھائیں اور اسلام کے نفاذ کے لئے مثبت اقدامات کریں۔ کام اگر ہو گا تو عزمِ مصمم سے ہو گا' نیم دلانہ (Half hearted) انداز سے یہ کام نہیں ہو گا۔ نہ اس طور پر ہو گا کہ قدم اٹھایا اور پھر اس اندیشے سے واپس لے لیا یا تعویق میں ڈال دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے۔ یہ انداز انجام کار کے لحاظ سے انتہائی غلط ہے۔ مجھے نہ اپنی فکر ہے نہ ضیاء الحق صاحب کی۔ مجھے فکر ہے تو اس ملک کی فکر ہے ع

اے آندھیو! سنبھل کے چلو اس دیار میں
امید کے چراغ جلائے ہوئے ہیں ہم

یہ وہ ملک ہے جو بڑی امیدوں کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ جس کے لئے ہم نے بڑے اونچے نعرے لگائے تھے' بلند بانگ دعوے کئے تھے۔ اس کے لئے ہماری قوم نے ناقابلِ فراموش قربانیاں دی تھیں۔ ہم اس ملک کو دورِ جدید اور زمانۂ حاضر میں اسلام کی ایک تجربہ گاہ بنانے کا عزم لے کر چلے تھے' نوعِ انسانی کو ہدایت کا روشن مینار دکھانے کے لئے ہم کھڑے ہوئے تھے۔ ان امنگوں اور ان ارادوں کے ساتھ یہ ملک وجود میں آیا تھا....

☆☆☆

مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب

کے دروس اب بزبانِ انگریزی بھی دستیاب ہیں

جولائی 94ء میں نیو جرسی (امریکہ) میں منعقدہ قرآنی کیمپ میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے یہ دروس ریکارڈ کروائے تھے

مکمل سیٹ 32 ویڈیو کیسٹوں پر مشتمل ہے

-------برائے رابطہ-------

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36-کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 2-5869501

اسلامی انقلاب کا
آخری اور فیصلہ کُن مرحلہ

از قلم : مختار حسین فاروقی
ناظم حلقہ پنجاب جنوبی تنظیم اسلامی پاکستان

ابتدائیہ

اجتماعی زندگی میں کسی بنیادی تبدیلی کا نام انقلاب ہے اور یہ یقیناً دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ پھر انقلاب اگر دنیاوی نہیں بلکہ اسلامی ہو تو مسئلہ اور بھی مشکل بن جاتا ہے۔ انبیاء کی تاریخ میں بھی اس کی واحد مثال جناب محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جب یہ انقلاب عام انسانی جدوجہد کے ذریعے تکمیل پذیر ہوا ہے۔ اس اعتبار سے اس انقلاب میں ہمارے لئے اور ان سب لوگوں کے لئے جو دین کو قائم کرنے کے لئے عملی کوشش کر رہے ہیں روشنی اور رہنمائی کا وافر سامان موجود ہے۔

آئندہ صفحات میں اس اسلامی انقلاب کے ابتدائی مراحل بالاختصار اور آخری مرحلہ کو قدرے وضاحت سے پیش کیا گیا ہے تاکہ اسلامی انقلاب کے قدردان اس پر غور و فکر کریں اور متلاشیانِ حق اس راہ پر عزم و ارادے سے سفر کا آغاز کر دیں۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا وعدہ جو قیامت سے قبل لازماً پورا ہو کر رہے گا' ہمارے ذریعے سے پورا کرا دے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے بہت بڑا اعزاز ہو گا۔

تو -- آیئے آگے بڑھئے اور نظامِ خلافت کے قیام اور دین اسلام کے غلبے کی اس وادی میں قدم رکھئے جو پُر خطر سہی' ناقابلِ عبور نہیں ہے۔

ع یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا!

اللہ کی تائید و نصرت کی امید پر ہمارے قدم آگے ہی بڑھتے رہیں گے اور بالآخر منزل پر پہنچ کر دم لیں گے یا اسی راہ میں ہمیں موت آجائے گی۔

۱) انقلابِ نبویؐ کے مراحل

روئے ارضی پر انسانوں کے درمیان ہونے والے معاملات میں کوئی تبدیلی اُس وقت تک انقلابی تبدیلی نہیں کہلا سکتی جب تک وہ بنی نوع انسان کی اجتماعی زندگی کے کسی بنیادی شعبہ سے متعلق نہ ہو۔ یوں تو دنیا میں کئی انقلابات آئے ہیں مگر مشہورِ زمانہ انقلابات (یعنی انقلاب فرانس اور انقلاب روس) سے بھی کہیں بڑھ کر ہمہ گیر انقلاب آج سے چودہ سو برس پہلے واقع ہونے والا انقلاب تھا جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں برپا ہوا۔ چونکہ یہ انقلاب اولاً صرف ۲۳ سال کی مختصر مدت میں وقوع پذیر ہوا اور ثانیاً ایک ہی مرکزی شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے آیا لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ اس انقلاب میں (دنیا کے دیگر انقلابات کے برعکس) انقلابی جدوجہد کے تمام مراحل و مدارج نہایت واضح ہیں اور انہیں سمجھنا نہایت آسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ انقلاب اپنے بعد رونما ہونے والے انقلابات کے لئے ایک روشنی کا مینار ثابت ہوا۔ آیئے مختصراً جائزہ لیتے ہیں کہ اس مبارک انقلاب کے کیا مراحل و مدارج ہیں۔ یوں تو سیرت النبیؐ کے حوالے سے انقلاب کے چھ واضح اور نمایاں مراحل سامنے آتے ہیں مگر آسانی کے لئے ان کو دو بڑے عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے تین مراحل کو ابتدائی مراحل اور آخری تین مراحل کو تکمیلی مراحل قرار دیا جاسکتا ہے۔

انقلابی جماعت یا حزبُ اللہ کی تشکیل

ہر انقلاب کی پشت پر ایک انقلابی جماعت کا وجود اور فعال کردار ناگزیر ہے جس کی تربیت اس انقلاب کے مزاج کے مطابق اعلیٰ پیمانے پر کی گئی ہو۔ جناب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لانے والے حضرات کی جو جماعت تشکیل پائی قرآن مجید میں اس جماعت کو "حزب اللہ" کہا گیا ہے اور اس جماعت کی تشکیل میں مکی دور کا طویل عرصہ لگا

ہے۔ اس جماعت کے واضح اوصاف میں انقلابی جدوجہد کے تینوں بنیادی لوازم کماحقہ' موجود ہیں یا دوسرے الفاظ میں انقلاب کے تینوں ابتدائی مراحل صاف دیکھے جاسکتے ہیں یعنی :

(i) توحید کا یقین اور اس کی اشاعت و دعوت
(ii) اس نظریہ کو قبول کرنے والے افراد کی تشکیلِ جماعت اور تنظیم سازی
(iii) اس جماعت کی اعلیٰ اخلاقی اور روحانی قدروں پر تربیت

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جو پروانے بھی جمع ہوئے ان کو مئے توحید کا خوگر بنا کر قرآن مجید (جو کلام اللہ ہے اور ہماری روحانی غذا ہے) کے ذریعے ان کے سیرت و کردار میں پختگی پیدا کی گئی تا آنکہ وہ حزب اللہ وجود میں آئی جو ہاتھ میں توحید کی شمشیر برہنہ رکھتی تھی اور سیرت و کردار میں فرشتوں کی ہم پلہ اور چٹان کی طرح مضبوط و مستحکم تھی۔

حزب اللہ---- آزمائش کی تپتی راہوں پر

کسی انقلاب کے لئے جہاں ایک منظم اور مستعد جماعت کا ہونا بنیاد کے پتھر کی حیثیت رکھتا ہے وہاں اس کی صحیح رخ پر پیش قدمی کے لئے اس ماحول میں موجود انقلاب دشمن طاقتوں اور مفاد پرست سرداروں اور وڈیروں سے اس کا تصادم ایک ناگزیر امر اور اٹل حقیقت ہے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی "حزب اللہ" بھی تشکیل و تنظیم کے مراحل سے گزر کر تصادم کے ناگزیر مرحلہ تک آئی۔ اگرچہ بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ اس تصادم کا آغاز شاید حزب اللہ کے منطقی مخالفین یعنی حزب الشیطان کی طرف سے ہوا مگر غور کریں کہ اس مشرکانہ ماحول میں نعرۂ توحید بلند کر کے تالاب میں پہلا پتھر کس نے پھینکا؟ اور عرب میں جاری قریش کے مذہبی اجارہ داری کے مستحکم نظام کی جڑوں پر تیشہ کس نے رکھا؟ یقیناً یہ پہل جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی تھی۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادیؐ
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

یہ تصادم کا مرحلہ بھی درجہ بدرجہ اپنی انتہا کو پہنچا ہے اور درج ذیل تین نشانِ منزل چھوڑ گیا جنہیں ہم انقلاب کے تکمیلی مراحل قرار دے سکتے ہیں :

(i) تشدد اور تعذیب کے جواب میں صبر محض
(ii) اقدام یعنی مشرکانہ اجتماعی نظام کو چیلنج
(iii) مسلح تصادم یعنی میدان جنگ میں ہار جیت کا فیصلہ

جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے تشدد اور تعذیب (Persecution) کے مقابلے میں صبر و استقلال کی شاندار داستانیں ہی رقم نہیں کیں بلکہ اقدام کے مرحلے اور مسلح تصادم کی گھاٹی میں بھی مابعد آنے والوں کے لئے روشن مثالیں چھوڑی ہیں۔ تا آنکہ انقلاب نبویؐ کامیابی سے ہمکنار ہو گیا اور اللہ نے حزب اللہ کو اپنی "رضا" اور خوشنودی کا تمغہ عطا فرما دیا۔ (رَضِیَ اللّٰہُ عنہم اجمَعین) اور وہ بھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عطا پر راضی اور خوش ہوں گے (وَرَضُوا عَنہ)۔

۲) انقلابِ اسلامی کا آخری مرحلہ : چند توجّہ طلب پہلو

ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کو "ہدایتِ انسانی" کا ایک ہی مقصد دے کر بھیجا مگر نسل انسانی کی ذہنی و فکری سطح کے مطابق مختلف انبیاء و رسل علیہم السلام کی بنیادی دعوت میں اتحاد و اشتراک کے باوصف تفصیلی احکامِ شریعت میں فرق واقع ہوتا رہا۔ اس فرق کا بنیادی مقصد دراصل بنیادی دعوت کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر ان خارجی عوامل کو بروئے کار لانا تھا جس کو نسل انسانی اپنے علم اور تجربہ کی بنیاد پر حاصل کر چکی تھی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انزالِ وحی میں بھی انسانی تمدن کے عروج کو مدِ نظر رکھا ہے۔ چنانچہ تاریخ انسانی کے آغاز میں وحیٔ نبوت صحیفوں یا کتاب کی صورت

میں نہیں تھی بلکہ ہدایتِ آسمانی زبانی طور پر نبیوں کے ذریعے نوع انسانی تک پہنچتی رہی۔ مگر بعد میں یہی وحی "زُبُرِ الاوّلین" یعنی صحفِ ابراہیمؑ اور تورات و انجیل کی شکل میں تھی، پھر ختمِ نبوت و رسالت کے مرحلے پر آکر ایک کتاب مبین یعنی قرآن مجید کی شکل اختیار کر گئی۔ اسی طرح دعوت کے طریقوں اور عملی اقدامات میں فرق واقع ہونا عین قرینِ قیاس ہے۔

اسی پر قیاس کرتے ہوئے آیئے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دورِ نبویؐ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور آج کے ماحول میں کیا بنیادی فرق واقع ہوئے ہیں کہ ان کو اگر مدِ نظر نہ رکھا گیا تو انقلاب کے ضمن میں پیش رفت کی بجائے رجعت کا اندیشہ ہے۔

ا۔ دورِ نبویؐ میں انقلاب دشمن طاقتیں

اس پہلو کا جائزہ دو حصوں میں لیا جا سکتا ہے۔

اوّلاً ---- یہ کہ تاریخ انسانی میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو فرق واقع ہوا ہے وہ یہ کہ آپؐ اور آپؐ سے پہلے انقلاب اسلامی کے تمام داعی نبیؑ اور رسولؑ تھے۔ یعنی وہ مامور من اللہ بھی تھے اور "وحی" کے حامل بھی، لہٰذا انقلابی جدوجہد کے ہر مرحلہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا سلسلہ بھی جاری رہا اور "معصوم عن الخطاء" ہونے کے ناطے غلطی کا امکان بھی نہیں تھا، جبکہ اب یہ کام قرآن و حدیث کی رو سے سرانجام دینا ہے امتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو، جس کے افراد نہ معصوم ہیں اور نہ ان پر براہ راست وحی اترتی ہے۔ گو آسمانی ہدایت کا خزانہ قرآن مجید کی شکل میں ان کے پاس موجود ہے تاہم اللہ تعالیٰ سے براہ راست رابطہ یعنی وحیٔ آسمانی کے ذریعے قدم قدم پر رہنمائی کا سلسلہ منقطع ہے۔ گویا کہ فرق صرف ایک نبی اور امتی کا ہی نہیں بلکہ سید المرسلین اور ایک عام امتی کا ہے۔

ثانیاً ---- اسی متذکرہ بالا فرق کا ایک اور لازمہ بھی ہے جو ہمیں درپیش ہے۔ یعنی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپؐ کے ساتھی اہلِ ایمان کہلاتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کو "حزب اللہ" کہا جاتا تھا۔ آپ کے مخالفین صریح کافر تھے اور ان کے

کافر ہونے میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہ تھی۔ جبکہ موجودہ حالات میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی ذمہ داری آپؐ کے امتیوں اور عام مسلمانوں کے ہاتھوں میں آنے کی وجہ سے اب امتِ مسلمہ کے اندر ایک انقلابی جماعت بنے گی اور ضروری نہیں کہ اس کے مخالفین لازماً کافر ہی ہوں' بلکہ اکثر جگہوں پر کلمہ گو مسلمان حاکم انقلاب کے راستے کی رکاوٹ بنیں گے اور مخالفت میں پیش پیش ہوں گے۔ وہ موجودہ نظامِ باطل کو برقرار رکھنے کی سرتوڑ کوشش کریں گے۔ گویا اب مقابلہ اکثر و بیشتر انقلابی جماعت اور روایتی مسلمانوں ہی کے درمیان ہوگا اور یہ ایک بہت بڑا فرق ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

ب۔ عمرانی اور تجرباتی علوم کا ارتقاء

جیسا کچھ فرق حضرت ابراہیمؑ کے دور کے طبعی علوم کے معیار اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے طبعی علوم کے معیار میں تھا اس سے کہیں زیادہ فرق دورِ نبویؐ اور آج کے دور کے طبعی علوم کی گہرائی اور گیرائی میں واقع ہو چکا ہے۔ خالص مادی علوم (Physical Sciences) کے علاوہ عمرانی علوم اور علمِ اجتماعیات کے میدان میں بھی بہت زیادہ فرق سامنے آچکا ہے۔ گزشتہ ہزار ڈیڑھ ہزار سال میں عالم انسانیت نے تجربات کے دھکے کھا کر (By Trial and Error) جو چیزیں حاصل کی ہیں اور مزید برآں جو دو انقلابات مغربی تہذیب و تمدن کے زیر اثر آچکے ہیں اس کے نتیجے میں درج ذیل دو بنیادی تصورات ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

۱۔ **ریاست کا تصور** : آج سے ایک ہزار سال قبل دنیا میں جب کوئی حکومت بنتی تھی تو اس ملک اور اس کی حکومت کے درمیان کوئی تصوراتی فرق نہیں تھا جبکہ آج ہم سب جانتے ہیں کہ ملک یا ریاست ایک علیحدہ حقیقت ہے اور حکومت یعنی انتظامیہ ایک الگ حقیقت۔ اس پیش رفت کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ کسی ملک یا ریاست کا ہر شہری اس حکومت کا نہیں بلکہ اس ریاست کا وفادار ہوتا ہے' جبکہ حکومت کوئی بھی ہو اس کو ناپسند کرنا یا اس کو گرا کر دوسری حکومت قائم کرنے کی جدوجہد کرنا ہر شہری کا حق سمجھا جاتا ہے۔ جب تک کوئی حزب اختلاف پُرامن جدوجہد کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتی اس کو اظہارِ رائے

اور اظہارِ اختلاف کی آزادی اور احتجاجی جلسے اور مظاہرے کرنے کا حق حاصل رہے گا۔ گویا آج بھی کسی ملک میں اگر توحید کی اساس پر کوئی جماعت تشکیل پائے اور اس کے ہم خیال لوگ کافی تعداد میں ہو جائیں تو وہ مخالف مشرکانہ حکومت کے خلاف نہ صرف زبان کھول سکتے ہیں بلکہ عملی جدوجہد بھی کر سکتے ہیں۔

۲۔ **انسانی حقوق کا تصور** : اسلام اگرچہ اپنے پیروکاروں کو توحید کی محکم اساس پر مساوات انسانی کا درس دیتا ہے اور آزادی اور اخوت کا پرچارک ہے مگر غیر مسلم دنیا بہت بعد تک بنیادی حقوق سے تہی دامن رہی ہے۔ موجودہ دور میں بنیادی انسانی حقوق (Basic Human Rights) کا تصور اگرچہ مغربی علوم و فنون کی بالادستی کے ساتھ آیا ہے مگر اس کے پس منظر میں اسلام کی تعلیمات عالیہ کا ہی اثر کارفرما ہے۔

نتیجتاً آج کا انسان اگر کسی متمدن ملک میں ہو تو وہاں اسے چند بنیادی حقوق حاصل ہیں یعنی عقیدے کی آزادی کا حق' اظہار رائے کا حق اور اجتماعی ادارے قائم کرنے کا حق وغیرہ۔ الغرض آج انسان مخالف سے مخالف ماحول میں بھی ان حقوق کی بدولت اپنے نظریات پر قائم رہ سکتا ہے' ان کا معقول انداز میں پرچار کر سکتا ہے' اس کے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ پُرامن مظاہرے' گھیراؤ اور ناکہ بندی کر سکے۔ اور اگر کسی نظریہ کے لوگ معتدبہ تعداد میں ہو جائیں تو وہ نہ صرف حکومت کو بدل سکتے ہیں بلکہ نظام تک کو تبدیل کرنے کی جدوجہد کر سکتے ہیں' جیسے ملک عزیز پاکستان میں چونکہ اکثریت مسلمانوں کی ہے تو مسلمان عوام کی اکثریت کی پسند کے مطابق اسلامی قوانین کی ترویج کی کوشش ہو سکتی ہے۔

ج۔ حزب اللہ اور ریاستی وسائل کا تقابل

دورِ حاضر میں کسی متمدن ملک میں جب کوئی حزب اللہ تشکیل و تربیت کے ابتدائی مراحل طے کر کے اقدام اور مسلح تصادم کے مراحل کی طرف پیش قدمی کرے گی تو حکومتِ وقت اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ اسے کچلنے کے درپے ہو جائے گی۔ آج سے چودہ سو برس قبل مشرکینِ مکہ اور حزب اللہ کا مقابلہ بالعموم ایک اور تین یا اسلحہ کو بھی اگر مدنظر رکھیں تو زیادہ سے زیادہ ایک اور دس کا تھا۔ مگر آج کسی ملک میں حزب اللہ کی حیثیت سے

کسی جماعت کے پاس کتنا بھی اسلحہ کیوں نہ ہو وہ بہرحال محدود ہوتا ہے۔ جبکہ انقلاب کی مخالف حکومت جو دراصل ظالمانہ نظام کی محافظ ہوتی ہے 'اپنے پاس بے پناہ قوت و وسائل رکھتی ہے۔ اس کے پاس جو قوت مسلح افواج اور جدید اسلحہ یعنی بری افواج' فضائیہ اور بحری فوج کی صورت میں موجود ہے اس کی کوئی نسبت حزب اللہ کی محدود قوت کے ساتھ قائم ہی نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے اس صورت میں مسلح تصادم تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔

۳) پس چہ باید کرد--- انتہائی اقدام سے پہلے بیچ کی راہ

یہ بات عام طور پر ہمارے عوام و خواص کے ذہنوں میں بٹھادی گئی ہے کہ مسلمان حکمران چاہے کتنے ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہوں اور غیر اسلامی نظام قائم کئے ہوئے ہوں ان کے خلاف خروج کسی صورت جائز نہیں! یہ بات اصولاً غلط ہے۔ اس لئے کہ اگر اسے اصول مان لیا جائے تو پھر مسلمانوں میں جو بھی برائی در آئے اور حکمران طبقہ اگر اس کو تحفظ فراہم کردے تو اس کی اصلاح کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ لہٰذا یہ بات صحیح نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک حدیث پاک میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق و فاجر حکمرانوں کے خلاف اس اقدام کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اسے ایمان کا عین تقاضا قرار دیا ہے۔ یہ مسلم شریف کی روایت ہے جس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں :

عَن ابنِ مَسعود رضیَ اللّٰہ عنہ انّ رَسولَ اللّٰہ صلّی اللّٰہ عَلیہ وسلم قال :"مَامِن نبیٍ بَعثَہ اللّٰہ فی امۃٍ قبلی الا کان لہٗ من امتہٖ حَواریون وَاصحابٌ یَاْخُذون بسُنتہٖ وَیقتدون بِاَمرہٖ' ثم انّھا تَخلفُ مِن بَعدھم خُلوفٌ یقولون ما لا یفعَلون وَیفعلون مَا لا یؤمَرون' فمَن جاھدَھم بیدہٖ فھو مومنٌ وَمن جاھَدھم بلسانہٖ فھو مومنٌ ومن جاھَدھم بقلبہٖ فھو مومنٌ 'وَلیس وَراءَ ذٰلکَ مِن الایمان حبۃ خردل"

حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :"اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کے ساتھ مل کر اس کے حواریوں اور اصحاب نے اس کی سنت کو قائم نہ کیا ہو اور اس

کے احکام کی پیروی نہ کی ہو۔ پھران کے بعد ان کے جانشین ایسے لوگ بن گئے جن کے قول و فعل میں تضاد ہوتا تھا اور وہ ایسے کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ پس جو ان کے خلاف ہاتھ (قوت) سے جہاد کرے وہ مومن ہے' جو ان کے خلاف زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان کے خلاف دل سے جہاد کرے (یعنی دل میں انہیں برا سمجھے) وہ مومن ہے۔ مگر اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے"۔

حدیث کے آخری حصے میں ہمیں ایسے ناخلف لوگوں کے خلاف جو اقتدار پر قابض ہوں اقدام کے لئے ہدایت و رہنمائی ملتی ہے۔ مگر اس کے لئے علماء و فقہاء نے دوسری احادیث سے استنباط کر کے کڑی شرائط رکھی ہیں' یعنی جب تک اقدام کے نتیجے میں کامیابی کا قوی یقین نہ ہو مسلح تصادم کا آغاز نہ کیا جائے۔

چنانچہ جب تک کسی معاشرے میں اقدام کی یہ کڑی شرائط پوری نہ ہوں اس وقت تک کے لئے احادیث میں "نہی المنکر باللّسان" کی ہدایت ملتی ہے' یعنی برائی کے خلاف زبان کا بھرپور استعمال کیا جائے۔ آج کے دور میں برائی کے خلاف قلم اور ذرائع نشرواشاعت کا مقدور بھر استعمال بھی نہی عن المنکر باللّسان کی مؤثر ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ "نہی المنکر بالیَد" یعنی طاقت کے ذریعے برائی کو روکنے کے لئے جمعیت کی فراہمی کی کوشش بھی جاری رہے ---- اور یہ دونوں کام مسلسل ہوتے رہیں تا آنکہ ایک منظم انقلابی جماعت وجود میں آجائے اور اقدام کی کوئی سبیل نکل آئے تاکہ باطل نظام کو اکھاڑ کر پھینکا جاسکے اور اسلام کے نظامِ عدل وقسط کی بنیاد ڈالی جاسکے۔

۴) دورِ حاضر میں اقدام

دورِ حاضر میں کسی اقدام سے پہلے یقیناً مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر جائزہ لینا ہوگا کہ آج اقدام کی شکل بالکل ۱۴۰۰ برس قبل کے حالات کے مطابق مسلح تصادم ہی کی ہوگی یا موجودہ حالات میں جبکہ ایک طرف حکومت و ریاست کا فرق ایک حقیقت بن چکا ہے اور بنیادی انسانی حقوق بھی ایک تسلیم شدہ امر ہے اور دوسری طرف سرکاری ذرائع و وسائل اور مسلح افواج کے ہوتے ہوئے مقابلہ غیر فطری ہی نہیں پیشگی ناکامی کا مظہر نظر آتا ہے تو کیا

ایسی صورت میں کوئی اور طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے؟

اندریں حالات اہل علم نے اجتہاد کو بروئے کار لاتے ہوئے مسلح تصادم کے امکانات کو رد کئے بغیر نہی عن المنکر بالید کو نصِ قرآنی کے تحت ایک نئی جہت دی ہے' جس کی ماضی میں تو اور بھی مثالیں ہیں مگر حال ہی میں ایرانی انقلاب نے اس کو مبرہن کر دیا ہے اور لوگوں کے لئے اس کو ایک متبادل طریق کے طور پر روشناس کرایا ہے۔ اس کی طرف راہنمائی سورۂ توبہ میں واردشدہ الفاظ "وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ" میں ملتی ہے' یعنی "اور اللہ کی حدود کی (مستقل) حفاظت کرنے والے"۔۔۔ گویا "حدود اللہ کے خدائی محافظ۔" سورۂ توبہ کی آیات ۱۱۱- ۱۱۲ کے حوالے سے اس طریق کار کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ حزب اللہ کی تشکیل بذریعہ بیعت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے حضرات آغاز ہی سے ایک حزب اللہ میں منسلک ہوتے رہے۔ مکہ میں حزب اللہ آزمائش کی بھٹیوں سے گزر کر کندن بن کر نکلی اور بالآخر "چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن" کے مصداق ہجرت کے بعد حزب اللہ اور حزب الشیطان باہم متصادم ہوئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے حزب اللہ فتح مکہ سے گزر کر تبوک کے میدان میں فتح و نصرت کے پھریرے اڑاتی مدینہ واپس آئی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں فرمایا کہ حزب اللہ کی تشکیل اسؑ سے ایک مبایعت کی بنیاد پر ہے۔ جنت کا وعدہ اللہ کی طرف سے اور مال و جان بندۂ مومن کا۔ نیز یہ بیعت ہوگی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر۔ بعینہٖ آج حزب اللہ کی تشکیل کسی نائبِ رسول کی بیعت کی بنیاد پر ہوگی جس کی صوابدید پر اہل ایمان اپنے جان و مال اسلامی انقلاب کے لئے خرچ کریں گے۔

ب۔ حدود اللہ کے خدائی محافظ

حصہ الف میں درج شدہ تفصیل کے مطابق دورِ حاضر میں جب حزب اللہ تشکیل پائے گی اور تربیت و تنظیم کے مراحل سے گزر کر تصادم کے مرحلے کی طرف بڑھے گی تو

اسلامی انقلاب کے دو مراحل تو لازماً وہی پیش آئیں گے جن سے سابقہ پیش آیا تھا دورِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یعنی :

(i) تشدد اور تعذیب کے جواب میں صبر محض

(ii) اقدام یعنی مشرکانہ اور طاغوتی نظام کو چیلنج

جبکہ آخری مرحلہ یعنی مسلح تصادم کے ضمن میں آج کے دور میں ریاست اور انسانی حقوق کے تصور کے ارتقاء کی وجہ سے حزب اللہ "یُقْتَلُوْنَ وَیَقْتُلُوْنَ" کی بجائے یک طرفہ جنگ کرے گی۔ اس کے لئے ہمیں قرآن مجید ہی سے رہنمائی ملتی ہے اور وہ یہ کہ

اوّلاً ---- اس حزب اللہ یا انقلابی پارٹی کے رفقاء کے جو اوصاف سورۂ توبہ کی مذکورہ بالا آیاتِ مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں ان میں ان تربیت یافتہ حضرات کے ذاتی اوصاف کے علاوہ اجتماعی زندگی کے اوصاف و خصائص کا ذکر بھی آیا ہے جن میں سے آخری وصف یہی بیان ہوا ہے : وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ یعنی "اللہ کی حدود کے محافظ" جو حدود اللہ کی خلاف ورزی پر اس راستے کا سب سے بھاری پتھر ثابت ہوں کہ ہم یہ منکرات اب نہیں ہونے دیں گے' اور حدود اللہ سے تجاوز اب ہماری لاشوں پر ہی ہو گا ----- اپنی بات کو اللہ کے دین کی اہم اور بنیادی تعلیمات سے متعلق رکھتے ہوئے ایسے متفق علیہ احکام کو مطالبات کی شکل دے کر میدان عمل میں کود جائے۔ اس کے نتیجے میں حکومتِ وقت سے دو طرفہ جنگ نہیں ہو گی بلکہ حزب اللہ کے جاں نثار ساتھی نہتے بھی ہوں گے اور پُرامن بھی' تاکہ حکومت کی طرف سے تشدد ہو تو ان کی طرف سے کسی قسم کی مخالفانہ کارروائی نہ ہو جس کو جواز بنا کر حکومتی ایجنسیاں فائر کھول دیں اور ظلم کریں۔ حزب اللہ کی طرف سے پُرامن رہنے پر حکومتی کارروائی بلاجواز ہی قرار پائے گی اور اس طرح چاہے کچھ ساتھی جانوں کا نذرانہ دے دیں تاہم اخلاقی فتح حزب اللہ ہی کی ہو گی اور حکومت کو اپنے فسطائی ہتھکنڈوں پر ضمیر کی خلش اور باطنی کرب سے سامنا کرنے پڑے گا اور حزب اللہ کے مطالبات کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔

اسی صورت حال کی تعبیر قرآن مجید میں ایک جگہ یوں خوبصورتی سے کی گئی ہے : بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ "بلکہ ہم (اہلِ) حق کو (اہلِ) باطل

پردے مارتے ہیں اور اس طرح وہ (اہلِ حق) اس کا بھیجا نکال دیتے ہیں" (سورۃ الانبیاء)

اس آیتِ مبارکہ میں حق و باطل کی اس کشمکش کے لئے قتال کی اصطلاح نہیں آئی بلکہ تصادم کا ذکر ہے۔ اس طرح یہاں سے بھی رہنمائی ملتی ہے کہ حزب اللہ جب تصادم کے مرحلے پر پہنچے اور حالات سازگار ہوں تو مسلح تصادم سے کم تر راستہ بھی موجود ہے اور وہ ہے ریاست اور حقوق کے جدید تصورات کے حوالے سے 'یعنی :

---- پُرامن مظاہروں کے ذریعے اپنی رائے کا اظہار کرنا۔

---- ضرورت پڑے تو سڑکوں کی ناکہ بندی کی جاسکتی ہے۔

---- حالات تقاضا کریں تو کئی اہم جگہوں پر دھرنا مار کر بیٹھا جاسکتا ہے۔

---- طاغوتی نظام کا بھیجا نہ نکل رہا ہو تو گھیراؤ بھی کرنا پڑے گا۔

---- اور اگر ضرورت داعی ہو تو پرامن رہتے ہوئے Firing Squad کے سامنے اپنے سینے کھول دیں گے 'جانیں دیں گے اور اللہ کے ہاں سرخرو ہوں گے۔

حزب اللہ کی تشکیل و تنظیم اور تربیت کے بعد یہ اقدام کا مرحلہ ہے اور موجودہ حالات میں

---- اگر حزب اللہ کی تیاری مناسب ہو

---- تربیت کا مرحلہ دل جمعی سے طے کیا گیا ہو

---- ہر ساتھی نظم کا خوگر بن چکا ہو

تو ان شاء اللہ تصادم کے مراحل میں بھی اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے کامیابی نصیب ہو گی۔

۵) انجامِ کار---- تخت یا تختہ

اس طریق کار کے تین ممکنہ نتائج نکل سکتے ہیں۔

ایک---- یہ کہ اگر حکومت ان مظاہروں کے نتیجہ میں پسپائی اختیار کرلے یعنی منکرات کو ختم کرنا شروع کردے تو ہمیں اور کیا چاہئے۔ ایک منکر کے بعد دوسرے منکر کو اور پھر تیسرے منکر کو ختم کراتے چلے جائیں تو اسلامی انقلاب آجائے گا' تبدیلی برپا ہو جائے

گی' پورے کا پورا نظام صحیح ہو جائے گا۔ مکمل انقلاب تک یہ جدوجہد جاری رہے گی۔

دوسرا---- یہ کہ حکومتِ وقت اسے اپنی انا اور مفادات کے تحفظ کا مسئلہ بنا لے اور طاقت کے ذریعے اس تحریک کو کچلنے کی کوشش کرے۔ ایسے موقعوں پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حکومت بذاتِ خود کوئی چیز نہیں ہوتی' وہ پولیس' فوج اور ریاستی وسائل کا نام ہے' پھر یہ حکومت کسی مفاد پرست طبقہ ہی کی نمائندہ اور محافظ ہوتی ہے۔ اسلامی انقلاب کی بات سے ان کے مفادات پر زد پڑتی نظر آتی ہے تو اصلاً حکومت اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے مگر بظاہر ریاست کے امن اور مفادِ عامہ کے لئے پولیس اور فوج کو سامنے لا کھڑا کرتی ہے اور تشدد کراتی ہے۔ نتیجتاً اہلِ حق کو لاٹھی' گولی اور جیل سے سابقہ پیش آتا ہے۔ ایسے مرحلے پر اگر حزب اللہ کے رفقاء اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے پر آمادہ ہوں تو فوج اور پولیس کتنوں کو گرفتار کرے گی' کتنوں کو گولیاں مارے گی' کتنوں کو جیلوں میں ٹھونسے گی؟ جبکہ حزب اللہ کے پُرامن اور نہتے ہونے کی وجہ سے اس کارروائی کا کوئی اخلاقی جواز بھی نہیں ہوگا---- یہ عرصہ زیادہ طویل نہیں ہوتا۔ بالآخر پولیس اور فوج گولی چلانے سے انکار کر دیتی ہے اور اہلِ حق کے عزم اور حوصلے کے آگے حکومتی وسائل ریت کی دیوار ثابت ہوتے ہیں۔ نتیجتاً حکومت کا تختہ الٹ دیا جاتا ہے اور حزب اللہ کی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی ہے۔

یہ دو ممکنہ صورتیں تھیں تحریک کی کامیابی کی---- اب دیکھئے۔

تیسرا---- نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ حکومتِ وقت اس تحریک کو اور اہلِ حق کو کچلنے میں کامیاب ہو جائے تو جن لوگوں نے اس راستے میں جانیں دی ہوں گی ان کی قربانیاں ضائع نہیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے اجرِ عظیم اور فوزِ کبیر کے وعدے ہیں اور یہی اصل کامیابی ہے۔ ہم کسی نظامِ باطل کو بالفعل بدلنے کے مکلف نہیں' جدوجہد ہمارا فرض ہے۔ سو اہلِ حق تو کامیاب ہو گئے---- اور مزید برآں اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو انہی کے نقشِ قدم پر اور لوگ اٹھیں گے' وہ ان کی قربانیوں سے حوصلہ پائیں گے اور بالآخر اسلامی انقلاب کی یہ منزل سر کر لی جائے جس کی خبر دی ہے جناب محمد صلی اللہ علیہ

آزادیٔ نسواں کہ زمرّد کا گلوبند؟

فریدہ بنت اشتیاق، کراچی

اس صدی کے مفکر اعظم اقبال دین و دنیا میں ہم آہنگی کے سبب جدید و قدیم اور ہر خاص و عام میں اپنی حیثیت یگانہ رکھتے ہیں۔ کم از کم ہندو پاکستان کی حد تک تو دنیاوی تعلیم سے وابستہ ہر بچہ علامہ اقبال کا ایک آدھ شعر تو ضرور ہی جانتا ہے۔

پہلے اسکول ہوں، semi انگلش میڈیم اسکول یا مشنری اسکول، الغرض شناسائی کی حد تک اقبال سب کے نصاب میں شامل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس عظیم شاعر سے سب کی شناسائی مختلف درجے کی ہے۔ کسی کو صرف "بچے کی دعا" کے چند مصرعے یاد ہیں، کوئی "پہاڑ اور گلہری" کی نظم کے خلاصے کی حد تک ان سے وابستہ ہے۔ قوم اور ملک کا درد رکھنے والے ان کے ان اشعار کو جن میں قومیت کے تصور کو ابھارا گیا ہے، لے اڑتے ہیں۔ ادبی طبقہ وراثتاً اس کا دعوے دار ہے کہ وہ اقبال کو بقدر ظرف زائد جانتا ہے اور کے اس ثبوت میں اس کی فکر کو ہر گوشے سے اجاگر کرنے کے لئے سالانہ ان کی برسی یا یوم پیدائش پر مقالے اور کتابیں لکھ کر اس عظیم شاعر کا احسان چکا دیتا ہے۔

پچھلے دنوں اقبالیات پر بے شمار کتب دیکھنے کا اتفاق ہوا تو سوچا کہ آج ہم بھی اپنے عظیم شاعر سے وابستگی کے اظہار کے لئے اپنے قلم سے کام لیں تو ذہن "اقبال اور عورت" کی طرف منتقل ہوا۔ اس ضمن میں ان کا معروف مصرع فوراً ذہن میں آگیا، جو اقبال اور عورت کے ساتھ برشتہ تلازم جڑا ہوا ہے یعنی

ع وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ!

پھر شکوہ جواب شکوہ کی مقبولیت کے حوالے کی وجہ سے حوروں کا ذکر اور طرابلس کے محاذ پر شہید ہونے والی بچی فاطمہ کی نظم یاد آئی۔

سوچا کہ اس عظیم مفکر نے ایسا تو نہ کیا ہوگا کہ اس ذات کے بارے میں کچھ نہ کہا ہو جس کی حیثیت معاشرے میں لازم و ملزوم کی سی ہے اور جب اسلام اس کا مقام متعین کرتا ہے تو اس کی حد بندی اور درجہ بندی الگ صنف کے طور پر کرتا ہے۔ پھر تو ایسا ممکن نظر نہیں آتا کہ اس عظیم

مفکر اسلام نے اس مسئلے پر غور ہی نہ کیا ہو۔ بہرحال جب کلیات اقبال کی فہرست پر نگاہ ڈالی تو "عورت" کے عنوان سے ایک چھوٹا سا حصہ ملا۔ دل ذرا بجھا کہ اس قدر کم، مگر جب اس کا مطالعہ کیا تو کوزے میں دریا کو بند پایا اور یہی وجہ اس مضمون کے لکھنے کی ہوئی۔

اس مضمون کا عنوان علامہ اقبال کے چار شعروں کے مجموعے، جس کا عنوان انہوں نے "آزادی نسواں" قائم کیا ہے، کے اس کا آخری مصرع سے مشتق ہے

ع آزادیٔ نسواں کہ زمرد کا گلوبند؟

ان چھ اشعار میں اقبال نے اس معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے ایک بات دوٹوک کہنے کے بجائے آخری مصرعے میں سوالیہ انداز اختیار کر کے گویا اپنا پہلو بچایا ہے اور اپنی فکر کو واضح کر دیا ہے۔ لیکن یہ فکر سطحی مطالعہ سے واشگاف نہ ہو گی، موتی تو غواصی سے ہی ہاتھ آتے ہیں۔ (واضح رہے کہ لفظ غور کا تعلق غار سے ہے جو گہرائی کی وجہ سے ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں) پہلے شعر سے بات کا آغاز تجاہل عارفانہ سے ہوا ہے۔

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے وہ قند

ذرا ملاحظہ کریں۔ شاعر جانتے ہیں کہ ایک زہر ہے اور ایک قند، یعنی نقطۂ اعتدال دونوں میں نہیں۔ موافقین و مخالفین آزادی نسواں دونوں extreme پر ہیں۔ لیکن چونکہ موضوع حساس ہے لہٰذا اگلے شعر میں کہتے ہیں۔

کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند

اپنا دامن بچا کر مگر مردان خردمند کی بے حسی کو واضح کرتے ہیں۔

اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں معذور ہیں مردانِ خرد مند

کام چونکہ اب صاحب بصیرت صاحب فکر بہنوں کو سونپا گیا ہے لہٰذا میں دعوت دیتی ہوں کہ وہ سوچیں۔ لیکن ساتھ ساتھ میری ناقص عقل نے اس حصے کے باقی اشعار سے جو جواب نکالا وہ بھی پیش خدمت ہے، کیونکہ یہ جواب ان کے اپنے اشعار میں پنہاں ہے اور ایک کُل کی شکل میں ایک لڑی میں پرویا ہوا نظر آتا ہے اور گویا آج کے دور کی منہ بولتی تصویر بھی۔

۱) راز ہے اس کے تپِ غم کا یہی نکتۂ شوق
آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود

ماں ہونا ہی دراصل اس کا مقام بلند ہے۔ اور یہی اس کا ہدف اولین ہونا چاہئے۔ جنت جو اس کے قدموں کے نیچے ہے تو صرف اس لئے کہ وہ اپنے ہدف سے نہ بھٹکے ورنہ۔

۲) آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

ماں کی مامتا و تربیت (جس کی کسی کو قطرۂ نیساں سے گوہر بننے کے لئے ضرورت ہے) کی گود اگر صحیح نہج پر ہے تو پھر ہی ماں اس مقام کی سزاوار ہے۔ یہ مقام جو اس کو تفویض کیا گیا ہے اس کا حق ادا کرنے کے لئے عورت کو علم حاصل کرنا ہو گا۔ مگر کونسا؟ وہ علم نہیں جو اسے نسائیت کی قیود سے محروم کردے۔

۳) اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی
نسوانیتِ زن کا نگہباں ہے فقط مرد

عورت کو علم حاصل کرنا ہے' طلب علم میں گھر سے بھی نکلنا ہے' مگر نسوانیت کی نگہبانی صرف مرد کر سکتا ہے۔ اور مرد سے مراد محرم مرد۔۔۔۔۔ نامحرم نہیں۔ کیونکہ آگے کہتے ہیں :

۴) رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ ' آئینۂ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر

لہٰذا کہتے ہیں۔

۵) جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت

علم وہ جو عورت کو اپنی حدود میں رکھے' اس کو ماں بننے دے۔ تب جا کر اس کی آغوش میں قطرۂ نیساں کی تکمیل ہوتی ہے۔ لہٰذا واضح کیا کہ تعلیم ہو' جبھی تربیت کر سکے گی' اچھی ماں بن سکے گی'

مگر کونسی تعلیم زہر ہے؟

بے گانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

رتبہ مادری پر فائز ہونا ظاہری نظر میں آسان ہے کہ ایک جاہل بھی ایک درجن بچے جن لیتی ہے اور ایک ڈگری یافتہ بھی، مگر تربیت کس چڑیا کا نام ہے' اس کے جاننے پر ہے انحصار فضیلت

مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

علم دین کی آمیزش اگر نہیں تو علم وجذبہ سب بیکار ہیں

۶) فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارا زن شناس نہیں
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بیکار و زن تہی آغوش

نقطہ اعتدال پر نہ رہنے کی سب سے بڑی وجہ بشمول علم نافع کے یہ ہے کہ مرد زن شناس نہیں۔ اب یہ نقطہ اعتدال نہ آزادی نسواں سے ملے گا نہ زمرد کے گلوبند سے' بلکہ علم نافع اور زن شناسی ہی اس کے لئے ضروری ہے۔

یہ دونوں انتہائیں عورت کے مقام رفیع کو متعین کرنے میں ناکام ہیں کیونکہ۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا دُرِ مکنوں!

لہٰذا مفکر اسلام کی فکر عورت کو علم نافع کی طرف خصوصی طور پر متوجہ کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ مرد سے بھی یہ چاہتی ہے کہ وہ زن شناس بنے۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

قرآن اکیڈمی ملتان میں
تجدیدِ ایمان کی بہار

بتوفیقِ الٰہی گزشتہ سالوں کی طرح امسال بھی قرآن اکیڈمی ملتان میں رمضان المبارک میں تراویح کے دوران دورۂ ترجمۃ القرآن کا پروگرام بحسن و خوبی پایۂ تکمیل کو پہنچا' جس کی تفصیلی رپورٹ درج ذیل ہے۔

دورۂ ترجمۃ القرآن کے پروگرام کی تشہیر کے لئے ناظم حلقہ مختار حسین فاروقی صاحب کی قیادت میں ایک علاقائی دورہ لگایا گیا۔ ۴۵ کے قریب رفقاء حلقہ' قرآن اکیڈمی ملتان میں اکٹھے ہوئے۔ پروگرام کی تشہیر کے لئے سات ہزار ہینڈ بل اور پانچ سو ہینگنگ کارڈ چھپوائے گئے اور وسیع پیمانے پر رفقاء نے بڑھ چڑھ کر اس پروگرام کی آواز کو اہلِ ملتان تک پہنچایا۔ رمضان المبارک کی آمد سے ایک ہفتہ قبل محترم فاروقی صاحب نے "استقبالِ رمضان" کے موضوع پر امیر تنظیم اسلامی ملتان ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی کی رہائش گاہ پر ایک پُر تاثیر اور جامع تقریر فرمائی۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

شاعرِ مشرق کے اس شعر کے مصداق نورِ توحید کے اتمام کے لئے جدوجہد کا فریضہ امت مسلمہ کے ہر فرد پر عائد ہوتا ہے۔ اسی فریضہ کی ادائیگی کے ضمن میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی پاکستان نے یہ روایت قائم کی ہے کہ رمضان المبارک میں تراویح کے دوران سامعین کو پورے قرآن کا ترجمہ سنایا جائے تاکہ وہ دین کی بنیادی تعلیمات اور اپنے دینی فرائض سے روشناس ہو سکیں۔ الحمدللہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ساتھ ان کے شاگردانِ رشید بھی اس سفر میں ان کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔

قرآن اکیڈمی ملتان میں ڈاکٹر صاحب کے ایک شاگرد رشید ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی صاحب نے امسال یہ فریضہ ادا فرمایا۔ اگرچہ یہ موصوف کی زندگی کا پہلا موقع تھا' لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاص سے انہوں نے نہایت اچھے طریقے سے اپنی ذمہ داری ادا کی اور نورِ توحید سے لوگوں کے دلوں کو منور کیا۔ پروگرام کا آغاز رات آٹھ بجے نماز عشاء سے ہوتا' جو رات ایک بجے تک جاری رہتا۔ سامعین کی اوسط روزانہ حاضری ۱۷۵ رہتی' جبکہ شب جمعہ کو ۲۵۰ کے قریب ہو جاتی اور ختمِ قرآن کی رات یعنی ۲۷ رمضان المبارک کو یہ تعداد بڑھ کر ۵۰۰ کے قریب

ہو گئی۔ اس پروگرام کے دوران قرآن اکیڈمی میں ملتان اور بیرون ملتان سے ۱۵ افراد نے مستقل قیام فرمایا جن کی سحری اور افطاری کا بندوبست ادارہ کے ذمہ تھا۔ بارہ تراویح کے بعد چائے کا وقفہ ہوتا تھا جس میں چائے کے ساتھ ساتھ بسکٹ کا اہتمام بھی ہوتا۔ تقریباً ۳۵/۴۰ خواتین نے بھی اس پروگرام سے مسلسل بھرپور فائدہ اٹھایا۔ رفقاء تنظیم اسلامی ملتان اور جناب ڈاکٹر منظور حسین صاحب نے انتھک محنت سے اس پروگرام کے انتظامات کو منظم رکھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین) اس پروگرام کی آڈیو کیسٹس بھی تیار کی گئیں اور اس ذمہ داری کو رفیق تنظیم ملتان مشتاق احمد صاحب نے بحسن و خوبی ادا کیا۔

جناب قاری صاحب نے بھی اپنی خوبصورت آواز سے ہمارے ایمانی جذبات کو بڑھایا۔ پروگرام اتنا دلچسپ رہا کہ موسم سرما کی یخ بستہ ہواؤں اور بارش کے باوجود لوگ اس جام ایمان سے سیراب ہونے کے لئے آتے رہے۔ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں اکیڈمی میں ۱۶ افراد نے اعتکاف کی سنت کو ادا کیا۔ ختم قرآن کی رات تمام شرکاء میں شیرینی تقسیم کی گئی اور جناب کرنل حافظ غلام حیدر ترین صاحب نے اختتامی دعا کرائی۔ اس طرح یہ پروگرام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دن کے صیام اور رات کے قیام کو توشۂ آخرت بنائے اور انہیں اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ (مرتب : شوکت حسین)

بقیہ: اسلامی انقلاب ...

وسلم نے کہ قیامت سے پہلے تمام روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا جیسے آج سے چودہ سو برس قبل غالب ہوا تھا جزیرہ نمائے عرب میں' وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیز !!

حزب اللہ کے رفیقو ------ یہ ہیں دو صورتیں عام معروف معنوں میں "تخت" کی' تیسری صورت ہے عام معنوں میں "تختہ" کی ----- اور ہمارے لئے تو دونوں ہی "حسنیٰ" کے ذیل میں ہیں' اس کے علاوہ کوئی شکل نہیں ہے اور "ھَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ" کے مصداق اگر ہم اس راستے پر بڑھتے ہیں تو ان دو بڑے "خیر" میں سے ایک لازماً ہمارا مقدر بنے گا اور ہم دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو جائیں گے۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی !!

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

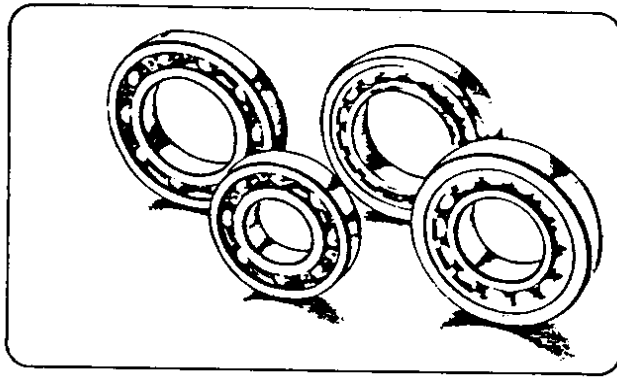

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE :
(Opening Shortly)
Amin Arcade 42,
Brandreth Road, Lahore-54000
Ph : 54169

GUJRANWALA :
1-Haider Shopping Centre, Circular Road,
Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REG No L.7360
Vol.44 No. 4
April 1995

پاکستان کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

جوھر جوشاندہ

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج

صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ
جوھر جوشاندہ کی شکل میں۔
ترکیبِ استعمال: ایک کپ گرم
پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوھر جوشاندہ ملائیں
اور جوشاندہ تیار۔
دن میں دو یا تین پیکٹ
جوھر جوشاندہ
استعمال کریں۔

تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

آسان استعمال
مؤثر علاج

Interflow